اشتیاق احمد

# دو باتیں

السلام علیکم! صاف ظاہر ہے، اس بار دو باتیں میں ذکر ہوگا خاص نمبر کی ڈاک کا، ہمیشہ یہی ہوتا ہے، لیکن نہیں۔ اس بار یہ ذکر ذرا مختلف ہوگا، خاص نمبر کی ڈاک تو معمول کے مطابق اللہ کی مہربانی سے بے اندازہ آئی، لیکن پوری کی پوری ڈاک میں ایک بات حد درجے خاص تھی، اس قدر خاص کہ خاص نمبر میں بھی اس قدر خاص کوئی بات نہیں ہوگی اور یقین جانیے یہ دیکھ کر ایک خاص قسم کی خوشی نصیب ہوئی۔ اب آپ بے چین ہوگئے ہوں گے، مارے سسپنس کے آپ کا حال بُرا ہوگا، لیجیے میں پردہ اُٹھائے دیتا ہوں۔ بھئی بات صرف اتنی سی ہے کہ خاص نمبر کے سلسلے میں جتنے بھی خطوط موصول ہوئے، ان میں سے ننانوے فیصد خطوط میں خاص نمبر کے آخر میں شائع ہونے والے فاروق احمد کے خطوط پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور اس قدر بھرپور الفاظ میں تبصرہ کیا ہے کہ اگر ان تمام خطوط کو شائع کیا جائے تو پوری ایک کتاب بن جائے اور ساتھ ہی یہ بھی آپ سب کو معلوم ہو جائے کہ میرے قارئین کو یہ خطوط پڑھ کر کس قدر غصّہ آیا ہے، کس قدر دھچکا لگا ہے۔ اور یہ جان کر آپ اور بھی خوش ہوں گے کہ ایک بھی خط فاروق احمد کے خطوط کی تائید میں موصول نہیں ہوا۔ الحمدُللہ۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے۔ اسلام کے شیدائی ایسی باتوں کا کس شدت سے نوٹس لیتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فاروق صاحب جیسے خیالات رکھنے والے ملک میں کتنی تعداد میں ہو سکتے ہیں، شاید انھیں انگلیوں پر گنا جا سکے۔ جی تو چاہتا ہے، ان سبھی خطوط کو شائع کر دوں، لیکن اس صورت میں آپ ناول سے محروم رہ جائیں گے اور صرف خطوط ہی پڑھ سکیں گے۔ تاہم جس قدر خطوط بھی شائع کیے جا سکے، کروں گا۔ کیونکہ یہ وقت کی ضرورت ہے۔

اس بار کا انعامی سوال بہت آسان ثابت ہوا، لیکن جواب دیتے وقت کئی جملے بڑھا دیے گئے۔ حالانکہ صرف وہ خیال لکھنا تھا جو محمود کو آیا تھا۔ اس طرح بالکل درست موصول ہونے والے تمام جوابات کو انعام کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔

آیندہ ماہ سے انعامی رقم میں اور اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے، یہ بات بھی آپ کے لیے خوش خبری کا درجہ رکھے گی۔ شکریہ!

## ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ——
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ——
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ——
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا ——
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ——

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہولیں، پھر ناول پڑھیں ——

مخلص:
**اشتیاق احمد**



# اب کیا ہوگا

وہ اس تحریر کو پہلی مرتبہ جلدی جلدی پڑھ گیا۔ تحریر پڑھ کر اسے بہت حیرت ہوئی، دوسری بار اس نے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا تو اور بھی حیرت محسوس کی، یہاں تک کہ تیسری بار پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ خط اسے رجسٹرڈ ڈاک میں ملا تھا، کافی پھولا ہوا لفافہ تھا، لفافہ کھولنے پر لمبے چوڑے کاغذ پر یہ تحریر لکھی نظر آئی، ساتھ ہی لفافے میں اس ملک کے کرنسی نوٹ بھی تھے، بالکل نئے نوٹ۔ اور یہ دس ہزار ڈالر تھے۔ نوٹوں کا پیکٹ دیکھ کر اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اسے تو خط پڑھ کر حیرت ہوئی تھی۔ تحریر کے الفاظ یہ تھے:

"میں اپنے ملک سے یہ تحریر اور دس ہزار ڈالر ارسال کر رہا ہوں۔ اس تحریر کو آپ غور سے پڑھیں اور پھر اپنا کام شروع کر دیں۔ ۲۰ جنوری کو جہاز پر آپ کی سیٹ بک ہے۔ اگر میں نے آپ کو جہاز

سے اُترتے دیکھ لیا تو سمجھ جاؤں گا کہ آپ نے میرا
کام کرنا منظور کر لیا ہے، میں آپ کو اچھی طرح
جانتا ہوں اور آپ کے کاموں کو بھی، کیونکہ کافی عرصہ
آپ کے مُلک میں گزار چکا ہوں — میں نے آپ کو
بہت قریب سے دیکھا ہے، میرے مُلک میں آ کر
آپ صرف اپنا کام کریں گے، یہ جاننے کی کوشش ہرگز
نہیں کریں گے کہ میں کون ہوں، کام مکمل کرنے کے
بعد آپ اپنے مُلک واپس چلے جائیے گا — آپ کا باقی
معاوضہ پہلے ہی آپ کو روانہ کیا جا چکا ہو گا — اور
آپ کے گھر کے افراد اسے بنک میں جمع کرا چکے
ہوں گے، فون کے ذریعے آپ اس بات کی تصدیق
بھی کر لیجیے گا اور اگر یہ بات غلط ثابت ہو تو کام
درمیان میں چھوڑ دیجیے گا، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ
آپ جب ایک کام کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو
پھر کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہٹتے — یہی وجہ ہے کہ میں
آپ کا باقی معاوضہ آپ کے گھر ارسال کر دوں گا، شاید
آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ مجھے کیا معلوم، آپ
کا معاوضہ کیا ہے، میں جانتا ہوں، آپ ہر کیس کا
معاوضہ پچاس ہزار ڈالر وصول کرتے ہیں — دس ہزار



پیشگی اور باقی چالیس ہزار کام ختم ہونے پر، لیکن
چونکہ میں سامنے نہیں آؤں گا، اس لیے کام ختم ہونے
سے پہلے ہی باقی چالیس ہزار آپ کے گھر پہنچ چکے
ہوں گے، اب آپ یہ ملاحظہ فرمائیں کہ کام کیا ہے —
غور سے پڑھیے —

میرے مُلک میں انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ
میرے لیے ناپسندیدہ لوگ ہیں، میں انھیں زندہ سلامت
نہیں دیکھ سکتا، آپ کا کام یہ ہو گا کہ آپ ان کا
کام تمام کر دیں، لیکن یہ بات نوٹ کر لیں کہ یہ لوگ
عام لوگ نہیں ہیں، بہت خطرناک، پھرتیلے اور ذہین
ہیں — بڑے بڑے مجرم ان سے خوف کھاتے ہیں —
بُری طرح ان سے ڈرتے ہیں — انھوں نے سلاٹر، جیرال،
جیتال اور کالی آنکھ جیسے مجرموں کو تگنی کا ناچ نچا دیا
اور موت کے گھاٹ اُتار دیا — سُنا ہے کہ یہ لوگ لی کاف
اور گماٹا جیسے مجرموں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار چکے
ہیں، لیکن ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہو سکی —
بہرحال یہ لوگ حد درجے خطرناک ہیں، اس میں کوئی
شک نہیں، آپ کو نہایت محتاط ہو کر یہ کام کرنا ہو
گا — یہ بھی سُن لیں کہ انسپکٹر جمشید کے بڑے بیٹے محمود

کے جوتے کی ایڑی میں ایک خطرناک ہتھیار ۔۔ اس
کا چاقو چھپا ہوتا ہے ، اس چاقو سے خبردار رہیں،
موقع ملتے ہی اس چاقو کو حاصل کر لیں۔ ورنہ وہ
آپ کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے ، اگر آپ
اس کام میں کامیاب نہ ہوئے یا آپ نے کام کرنا منظور
نہ کیا تو بھی مشکل میں پھنس جائیں گے ۔ مشکل میں
کس طرح پھنس جائیں گے ، اس کی بھی ایک جھلک
دکھا دوں ۔ آپ نے آج تک جتنے لوگوں کو موت کے
گھاٹ اتارا ہے ، ان کے بارے میں پولیس کوئی
ثبوت حاصل نہیں کر سکی ؛ اسے آپ پر شک تو ضرور
ہے ، لیکن آپ کے خلاف اس کے پاس کوئی ثبوت
نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ آج بھی آزاد پھر
رہے ہیں ، لیکن میرے پاس آپ کے چند جرائم کا
ثبوت ہے ۔ میں ایک بہترین فوٹو گرافر بھی ہوں اور
اس فن میں میں نے بہت مہارت حاصل کی ہے ،
بلکہ جدید ترین ایجادات سے بھی فائدہ اٹھانا جانتا ہوں،
مطلب یہ کہ میرے پاس تصویری ثبوت موجود ہے ۔
ان تصاویر میں آپ کو جرم کرتے صاف دیکھا جا سکتا
ہے ، مزے کی بات یہ کہ آپ نے یہ جرم میک اپ



میں رہ کر نہیں کیے ۔ اور یہ آپ کی سب سے بڑی
غلطی تھی ۔ میں نے یہ تصاویر بالکل محفوظ کر دی ہیں،
شاید آپ کسی طرح مجھ تک تو پہنچ جائیں ، لیکن ان
تصاویر تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے ۔ کیونکہ میرے علاوہ
کسی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کیا ہیں ۔
بس ایک شخص کو اتنا ضرور معلوم ہے کہ اگر میں مر
جاؤں تو وہ پولیس کو ایک اطلاع دے دے گا، اس
اطلاع سے پولیس جو نتیجہ نکالے گی ، اس نتیجے کی
روشنی میں وہ ان تصاویر تک پہنچ جائے گی ، تصاویر
کے ساتھ پوری تفصیل بھی ہے ۔ اس طرح یہ ثبوت
آپ کی حکومت کے حوالے کر دیا جائے گا اور آپ کو
آپ کے جرائم کی سزا مل جائے گی ۔ لیکن اگر آپ
نے میرا کام کر دیا تو ایسی کوئی صورت پیدا نہیں ہو
گی ۔ ہو سکتا ہے ، آپ یہ سوچ رہے ہوں کہ تصاویر
والے معاملے میں ، میں نے جھوٹ سے کام لیا ہے ۔
اور گپ ہانکی ہے تو اس کا ثبوت بھی پیش کر رہا
ہوں ، اس لفافے کے ساتھ ہی آپ کو ایک اور لفافہ
ملے گا ، اس میں سے صرف ایک تصویر نکلے گی ۔
اس تصویر کو دیکھ کر میرے اس خط کے ایک ایک

لفظ پر آپ کو اعتبار کرنا ہی پڑے گا۔ اب میں اپنے خط کو ختم کرتا ہوں اور آپ کو دُوسرا لفافہ کھولنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اُمید ہے، آپ جیسے حوصلے والا آدمی تصویر کو دیکھ کر گھبرا نہیں جائے گا۔ اس قسم کی تین اور تصاویر میرے پاس محفوظ ہیں، گویا میں آپ کو کم از کم چار آدمیوں کا قاتل تو ثابت کر ہی سکتا ہوں۔ فقط—

آپ کا دوست، آپ کا ہمدرد۔"

تیسری بار خط پڑھنے کے بعد اس نے تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے دُوسرا لفافہ کھولا اور اس میں سے نکلنے والی تصویر کو دیکھ کر اس کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ وہ اس تصویر میں ایک بہت مشہور دولت مند کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ اس کا چہرہ اور مرتے ہوئے دولت مند کا چہرہ تصویر میں اس قدر صاف تھا کہ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آج تک کوئی اس کے کسی جُرم کا ثبوت پیش نہیں کر سکا تھا۔ یہ پہلا موقع اس کی زندگی میں آیا تھا اور بہت خوفناک موقع تھا، پھر اس نے خط، نوٹ، تصویر اور دونوں لفافے جلدی سے اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیے اور گھنٹی بجائی، فوراً ہی ایک سیاہ رنگ کا آدمی اندر داخل ہوا:



"کیا حکم ہے ماسٹر!"

"محمود، فارُوق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید!" اس نے مشینی انداز میں کہا—

پل بھر کے لیے سیاہ آدمی کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے اور پھر اس کی زبان فر فر چلنے لگی:

"چاروں انتہائی خطرناک ہیں، ان کے مقابلے میں نکلتے ہوئے اچھے اچھے لوگ گھبراتے ہیں، اپنے مُلک کے اس حد تک وفادار کہ جان تو دے سکتے ہیں، مُلک اور قوم پر کوئی حرف آتا نہیں دیکھ سکتے۔ اپنے مذہب سے دیوانگی کی حد تک پیار کرتے ہیں۔ اسلام کے خلاف دُنیا میں کہیں بھی کوئی کام ہو، یہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور بڑی سے بڑی رکاوٹ کو بھی پھلانگ جاتے ہیں۔ پھرتیلے اتنے کہ گولی کے وار کو بچا جاتے ہیں۔ ذہین اتنے کہ سازش کی بُو فوراً بھانپ لیتے ہیں اور انسپکٹر جمشید کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ دُوسروں کے ذہن کو پڑھ لیتے ہیں، لیکن آپ کیوں پُوچھ رہے ہیں ماسٹر!"

"ہمیں یہاں کام کرتے کتنا عرصہ گزر گیا ٹنگی؟"

"قریب قریب سات سال۔"

"سات سال میں ہم نے کتنے لوگوں کو ٹھکانے لگایا ہوگا؟"

"شاید سات۔"

"یعنی ایک سال میں ایک آدمی ۔گویا سال میں صرف پچاس ہزار ڈالر ۔ کیا یہ آمدنی ہمیں کافی ہے ۔جب کہ ہمارا پورا ایک ادارہ ہے ۔خفیہ ادارہ ۔"

"جی نہیں ! آپ کے اپنے اخراجات ہی اس سے بہت زیادہ ہیں ۔ادارہ تو رہا الگ۔"

"تو پھر یہ خرچہ کس طرح پورا ہوتا ہے ؟"

"جو لوگ آپ سے کام لیتے ہیں ، بعد میں آپ انہیں ساری زندگی بلیک میل کرتے ہیں ۔یعنی ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں ۔" ٹنکی نے مشینی انداز میں کہا ۔

"شکریہ ٹنکی ۔تم نے بالکل ٹھیک کہا ۔ہم سال میں صرف ایک واردات اس لیے کرتے ہیں کہ کام پوری احتیاط سے کیا جائے ، اپنے خلاف کوئی ثبوت نہ چھوڑا جائے ۔ ورنہ کیس تو ہمیں ان گنت ملتے ہیں ، لیکن اس قدر احتیاط کے باوجود ٹنکی ۔میں بہت افسوس سے یہ کہوں گا کہ ہمارا راز اب راز نہیں رہا ۔"

"جی ۔کیا مطلب ؟"

"لو ۔خود دیکھ لو ۔"

یہ کہہ کر ماسٹر نے وہ ساری چیزیں نکال کر ٹنکی کے آگے ڈال دیں ۔ ٹنکی نے حیرت بھری نظروں سے پہلے تو ان کو دیکھا



اور پھر اس خط کو پڑھنے لگا ۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں ۔آخر خط ختم کر کے اس نے تصویر کو دیکھا اور کانپتی آواز میں بولا :

"اُف ماسٹر ! اب کیا ہوگا ؟"

"ہوگا کیا ، اب تک تو ہم لوگوں کو بلیک میل کرتے رہے ہیں ، اب وہ ہمیں بلیک میل کرے گا ، ساری زندگی ہم سے لمبی لمبی رقمیں بٹورے گا ، اس کا پیٹ کبھی بھی نہیں بھرے گا ۔ اس لیے انسپکٹر جمشید سے زیادہ مجھے اس کی فکر ہے ۔اگر ہم اس کا پتا نہ لگا سکے تو سمجھو کہ بس ڈوب گئے ۔" ماسٹر نے جلدی جلدی کہا —

"آپ ۔آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں ماسٹر ۔"

"یہ بتاؤ کہ اب کیا کیا جائے ؟"

"سوائے اس کے آپ کیا کر سکتے ہیں کہ انسپکٹر جمشید کے ملک جا کر اس کا اور اس کے بچوں کا کام تمام کر دیں اور اس کے بعد اس نامعلوم گاہک کو تلاش کرتے رہیں ۔اس کا سراغ بھی اسی ملک میں لگ سکتا ہے ۔ظاہر ہے ، وہ وہیں ہے ۔"

"ہاں ٹھیک ہے ۔ تو پھر تیاری کرو ۔" ماسٹر نے کہا ۔

"جی ۔تو کیا آپ مجھے بھی ساتھ لے جائیں گے ۔" ٹنکی نے گھبرا کر کہا —

"کیا تم نہیں جانا چاہتے؟"

"میں نے اپنے ملک میں تو ہر معاملے میں آپ کا ساتھ دیا ہے، لیکن انسپکٹر جمشید کے ملک میں جاتے ہوئے خوف سا محسوس ہوتا ہے۔"

"سنو ٹنکی۔ ان لوگوں کا کام تمام کرنے کے بعد ہم اس دشمن کا سراغ لگائے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔ ورنہ وہ ہمارا جینا حرام کر دے گا، اس کا سراغ لگا کر ہم اس کا بھی کانٹا نکال دیں گے اور پھر اطمینان سے اپنے ملک کی راہ لیں گے۔ لہذا تمہیں تو میرے ساتھ چلنا ہی ہوگا۔"

"بہت بہتر ماسٹر۔ جیسے آپ کی مرضی۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن یہ بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے مجبور ہو کر کہا۔

"بھئی میں تمہارے ساتھ ہوں، فکر کی کیا بات ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر تم بھی ۲۰ جنوری کے جہاز میں سیٹ بک کرا لو۔ لیکن ہم ایک ساتھ ایر پورٹ نہیں پہنچیں گے اور نہ جہاز میں ساتھ ساتھ بیٹھیں گے۔ نہ انسپکٹر جمشید کے ملک میں ایک ساتھ اتریں گے۔ قیام بھی الگ الگ ہوٹل میں کریں گے۔"

"لیکن ہمیں کس طرح معلوم ہوگا کہ کہاں کہاں ٹھہرے ہیں۔"



"۲۱ کی شام کو میں انٹرنیشنل ہوٹل میں موجود ہوں گا، وہیں ہماری ملاقات ہو گی، لیکن ایسے انداز میں جیسے اتفاق سے ایک میز پر جمع ہو گئے ہوں۔"

"بالکل ٹھیک۔" ٹنکی فوراً بولا۔

"وہاں ہم ایک دوسرے کے ہوٹل کے بارے میں معلوم کریں گے اور الگ الگ رخصت ہو جائیں گے، اس کے بعد فون کے ذریعے پروگرام طے کرتے رہیں گے۔"

"پروگرام بہت مناسب ہے۔"

"بس تو پھر تیاری کرو۔" ماسٹر نے کہا۔

اور ٹنکی کمرے سے نکل گیا۔ ماسٹر کا چہرہ فکر کی دھند میں گھر گیا۔

○

انسپکٹر جمشید کے فون کی گھنٹی بجی، وہ اس وقت صبح کی چائے پی رہے تھے، آج چھٹی کا دن تھا، کپ رکھ کر انہوں نے ریسیور اٹھایا اور بولے:

"ہیلو! انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے جمشید، تم بول رہے ہو۔" دوسری طرف سے

خان رحمان کی چہکتی آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"بھئی یہ تم چونکے کیوں؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"تمھارا جملہ سن کر — کیا تم یہ خیال کر رہے تھے کہ میری بجائے کوئی اُلّو بولے گا؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ بات نہیں جمشید! بات تو دراصل یہ ہے کہ انسان کو ہر حالت میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"خیر — اب میں مطلب کی بات کرتا ہوں — بھئی بس آج تم میرے ہاں آجاؤ۔"

"تمھارے ہاں آجاؤں، لیکن کیوں؟" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بھئی صرف تم نہیں، بچّے اور بھابی بھی — خوب لطف رہے گا۔" خان رحمان پُرجوش لہجے میں بولے۔

"خان رحمان! تمھارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ خوب لطف رہے گا؟" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا اور خان رحمان کی ہنسی نکل گئی — ادھر محمود، فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید بھی مسکرا اُٹھے۔

"یار ہر معاملے میں تو جاسوسی نہ بگھارا کرو — بس اب جلدی سے آجاؤ۔"

"معلوم بھی تو ہو — پروگرام کیا ہے؟"



"یہاں آنے پر ہی بتاؤں گا — اور ہاں پروفیسر داؤد اور شائستہ بھی آرہے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"اوہو، تم انھیں پہلے ہی فون کر چکے ہو۔"

"یہ بات نہیں، اب فون کروں گا۔" وہ بولے۔

"پھر تم نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ وہ بھی آرہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو اس میں شک کیسا — میں بلاؤں اور وہ نہ آئیں، تم نہ آؤ، کیا یہ ہو سکتا ہے۔"

"ہو تو خیر نہیں سکتا، لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی سائنس کانفرنس میں گئے ہوئے ہوں۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"یار چھوڑو اس ہو سکنے اور نہ ہو سکنے کو — بس تم آنے کی کرو۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے ریسیور رکھ دیا، انسپکٹر جمشید بھی ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"لو بھئی — تمھارے انکل کا بلاوا آگیا۔"

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے — کہ ان کا بلاوا آجائے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لیکن ابا جان ان کا پروگرام کیا ہے؟"

"انھوں نے بتایا نہیں، وہیں بتائیں گے۔"

"اور کیا پروفیسر انکل کو بھی بلایا ہے؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہاں! اب وہ انھی کو فون کر رہے ہوں گے۔"

"تب تو واقعی بہت لطف رہے گا۔ جلدی چلیے۔"

"اب تو جانا ہی پڑے گا۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا

"چلیے امّی جان۔ آپ بھی تیاری کیجیے۔"

"کیا مطلب۔ کیا مجھے بھی چلنا پڑے گا؟" وہ بولیں۔

"جی ہاں! اس لیے کہ یہ کوئی جاسوسی پروگرام نہیں ہے ۔۔ خالص تفریحی پروگرام ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

آدھ گھنٹے بعد وہ خان رحمان کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ ظہور نے دروازہ کھولا تو اس کی شکل پر اڑھائی بجے نظر آئے ۔۔۔

"کیوں بھئی۔ خیر تو ہے۔ تم خوش نظر نہیں آ رہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اپنی ایسی قسمت کہاں۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"آج دس مرغ، سو نرگسی کوفتے، بریانی، متنجن اور قورمہ تیار کرنے کا حکم ملا ہوا ہے، میں اور سلمیٰ بیگم صبح سے گدھوں کی طرح کھانا تیار کرنے میں لگے ہیں۔ ان حالات میں اڑھائی نہیں



بجیں گے تو کیا صبح کے چار بجیں گے؟"

"اوہ واقعی۔ بات تو ٹھیک ہے۔ تو کیا خان صاحب نے کچھ اور لوگوں کو بھی دعوت دے رکھی ہے؟"

"جی نہیں۔ صرف آپ لوگوں کو اور پروفیسر صاحب کو۔"

"لیکن ہم لوگوں کے لیے اتنے کھانے کی کیا ضرورت؟" محمود بھونچکا رہ گیا۔

"یہ تو خان صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"تو پھر ہمیں ان کے پاس لے چلو۔ ہم ان سے ہی پوچھ لیتے ہیں ۔۔ اور تم بھی ساتھ آؤ۔"

"مجھے تو بس معاف ہی رکھیے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"کیوں کیوں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"مجھے ساتھ لے جا کر آپ میری مصیبت میں کوئی کمی نہیں کر سکیں گے۔"

"اوہو۔ بھئی تم چلو تو سہی۔" فاروق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

سب خان رحمان کے کمرے میں داخل ہوئے:

"لیجیے پروفیسر صاحب۔ وہ آ گئے ہیں۔"

"اوہو! تو پروفیسر انکل پہلے ہی یہاں موجود ہیں۔"

"میں نے کہا تھا نا۔ بھلا یہ کیوں نہیں آئیں گے۔" خان رحمان چہکے ۔۔

ادھر بیگم جمشید، شائستہ بیگم سے مل رہی تھیں، بچے ایک دوسرے سے ہاتھ ملا رہے تھے — چند منٹ تک علیک سلیک کا ہنگامہ جاری رہا — آخر انسپکٹر جمشید بیٹھنے کے بعد بولے :

"بھئی خان رحمان — پہلے تو یہ بتا دو کہ یہ سب کیا ہنگامہ ہے — کیوں ہم سب کو جمع کیا ہے؟"

"جمشید! تم سے پہلے میں یہ بات پوچھ چکا ہوں، لیکن یہ حضرت بتا ہی نہیں رہے۔" پروفیسر داؤد منہ بنا کر بولے۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں نے آپ سب کو یہاں اسی لیے تو بُلایا ہے۔"

"کس لیے — ارے ہاں — ٹھہرو — پہلے تو ذرا ظہور کی بات ہو جائے۔"

"ظہور کی بات — کیا مطلب؟" خان رحمان چونکے۔

"آخر اس قدر کھانا کیوں پکوایا جا رہا ہے۔"

"اوہ تو اس نے شکایت لگائی ہے — ظہور — کتنے مُرغ تیار کر رہے ہو۔" خان رحمان غرّائے۔

"جی دو — دس۔"

"ٹھیک ہے — اب بیس مُرغ تیار کرو — اور اگر فوری طور پر کمرے سے نکل نہ گئے تو تعداد چار گنا ہو جائے گی۔"

اور ظہور نے دوڑ لگا دی —



"مارا گیا بے چارہ۔" بیگم جمشید نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"بھئی خان رحمان — یہ تو اس کے ساتھ زیادتی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں — یہ دو ہیں — مل کر پکا لیں گے۔"

"لیکن اتنے کھانے کا ہم آخر کیا کریں گے۔"

"وہ بھی بتا دوں گا — پہلے تو یہ بات طے ہو جائے کہ ہم یہاں کس لیے جمع ہوئے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں ٹھیک تو ہے — جلدی بتاؤ۔"

"بتاؤں کیا — مجھے تو خود معلوم نہیں کہ میں نے سب کو یہاں کیوں جمع کیا ہے۔"

"کیا — کیا مطلب!!" وہ سب چلّا اُٹھے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

# زبردستی کا پروگرام

سب کی آنکھیں خان رحمان پر جمی تھیں۔ سب کے چہروں پر حیرت بھی تھی، آخر فرزانہ بولی:

" یہ آپ نے کیا کہا انکل۔ جب آپ کو معلوم ہی نہیں کہ ہمیں کیوں بلایا ہے تو پھر آخر کیوں بلایا تھا؟"

" بس میرا جی چاہا۔ آپ سب کو یہاں بلاؤں۔ اور میں نے بلا لیا۔ اب بیٹھ کر کوئی پروگرام بنا لیتے ہیں۔ کھانا پہلے ہی تیار ہونے والا ہے۔ کھانا گاڑی میں رکھ کر کسی طرف کی راہ لیں گے۔"

" یہ تو زبردستی کا پروگرام ہو گیا انکل۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

" بھئی اب تم جو بھی سمجھ لو۔"

" چلو بھئی۔ پھر۔ بناؤ پروگرام۔"

" میری ایک تجویز ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔



" فرمایئے۔ ہم آپ کی تجویز کا خیر مقدم کریں گے۔"

" یہ کہ پروگرام چھوٹی پارٹی بنائے گی۔"

" چلیے ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" خان رحمان بولے۔

" چلو بھئی۔ بناؤ کوئی پروگرام۔"

" تو پھر کیوں نہ ہم سنہری جھیل چلیں۔ اس کے کنارے بہت لطف رہے گا۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

" لیکن وہاں رونق بہت ہوتی ہے۔" بیگم جمشید گھبرا گئیں۔

" ہم غیر آباد کنارے کی طرف چلے جائیں گے۔"

" میرا خیال ہے۔ یہ ایک بہترین تجویز رہے گی۔" خان رحمان بولے۔

" تو پھر ٹھیک ہے۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں۔" پروفیسر داؤد نے بلند آواز میں کہا۔

" مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

دو گھنٹے بعد ان کی کاریں سنہری جھیل کا رخ کر رہی تھیں۔ یہ ایک بہت پر فضا مقام تھا۔ لوگ سیر کی غرض سے بہت بڑی تعداد میں ادھر آتے تھے۔ شہر سے قریباً دس کلومیٹر دور تھا۔ اور اس طرح شہر کے ہنگاموں سے بھی دور تھا۔ جھیل بہت بڑی تھی اور اس میں سنہری مچھلیوں کی بہت بڑی تعداد

تھی ۔ لوگ ان کا شکار کھیلنے بھی اس طرف آتے تھے ؛ تاہم شکار
کھیلنے کے لیے لائسنس لینا پڑتا تھا ۔ جھیل کا ایک کنارہ گھنے جنگل
کو چھوتا تھا اور اس جنگل میں خطرناک درندے بھی تھے ۔
اسی لیے لوگ باگ اس کنارے کا رُخ نہیں کرتے تھے ۔ ایک
دو بار تو جنگل کے درندے اس طرف بھی آ گئے تھے اور خوف و
ہراس پھیل گیا تھا ۔ لہذا ایک کافی اونچا جنگلہ لگا دیا گیا تھا ۔
جھیل کے اس کنارے تک جانے کے لیے جنگلے کا لمبا چکر لگانا پڑتا
تھا ۔ چکر لگا کر وہ دوسرے کنارے پہنچ گئے ۔ ظہور اور اس کی
بیگم بھی ساتھ آئے تھے ۔

" بھئی خان رحمان ! تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اتنا کھانا کیوں
تیار کیا گیا ہے ۔"

" میں نے سوچا تھا ۔ ہم لوگ تو ایسے کھانے روز ہی کھاتے رہتے
ہیں ، کیوں نہ آج دوسروں کو کھلائیں ۔"

" تو ہم اب دوسرے ہو گئے ۔" پروفیسر داؤد بُرا مان کر
بولے ۔

" آپ غلط سمجھے ۔ میرا مطلب تھا ۔ جھیل کے اس طرف ایک
آبادی ہے ۔ مچھیروں کی آبادی ۔ ہم ان غریب لوگوں کو اپنے ساتھ
کھانے میں شریک کریں گے ۔"

" بھئی واہ ! اس سے اچھا پروگرام تو ہو ہی نہیں سکتا ۔"



پروفیسر داؤد بولے ۔

" بہت خوب خان رحمان ۔ بہت اچھی سوچ ہے ۔"

" ظہور ! تم کھانا لگانا شروع کرو ۔ میں اور جمشید جا کر ان
لوگوں کو بُلا کر لاتے ہیں ۔ کھانا ہمارے پاس بہت کافی
ہے ۔"

" جی بہتر ۔" ظہور نے کہا ۔

انسپکٹر جمشید اور خان رحمان چلے گئے ۔ اور وہ ظہور اور
سلمٰی کی مدد کرنے لگے ۔ ایسے میں فرزانہ کی نظریں جنگل کی
طرف اُٹھ گئیں ۔ اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں ۔ اس
بات کو محمود اور فاروق نے فوراً ہی محسوس کر لیا :

" کیا بات ہے فرزانہ ، خیر تو ہے ۔"

" ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے جنگل میں کوئی درندہ ہم پر نظریں
جمائے بیٹھا ہے ۔ وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہے ۔"

" اوہ ۔ درندہ ۔" حامد نے گھبرا کر کہا ۔

" خدا کے لیے فرزانہ ۔ کوئی جاسوسی چکر نہ شروع کر
دینا ۔"

" جاسوسی نہیں ۔ جنگلی چکر ۔" محمود بولا ۔

عین اسی وقت جنگل میں کسی کی تیز چیخ سنائی دی ۔ ایک
انسانی چیخ ۔ وہ لرز اُٹھے ۔

"اُف خُدا — یہ — یہ کیا ہوا؟" پروفیسر داؤد کانپ کر بولے۔

"شش — شاید کوئی انسان کسی درندے کے قابو میں آ گیا ہے۔"

"اُف — اب کیا کریں؟"

"کرنا کیا ہے — ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے کس طرح بیٹھ سکتے ہیں — آؤ — انکل آپ ان لوگوں کے ساتھ یہیں رہیں۔" محمود نے کہا اور جنگل کی طرف دوڑ لگا دی — فارُوق اور فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا، لیکن ابھی محمود نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا ہو گا کہ رُک گیا:

"کیوں — کیا ہوا؟"

"ہتھیار کے بغیر جنگل میں گھسنا ٹھیک نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال لیا، چاقو نیا بنوایا گیا تھا، کیونکہ پہلا چاقو زمین دوز دُنیا میں رہ گیا تھا —

وُہ جنگل میں آگے بڑھتے چلے گئے، لیکن نہ کوئی درندہ نظر آیا اور نہ کوئی انسان —

"کہیں ہمارے کان تو نہیں بجے تھے۔" فرزانہ بولی۔



"یہ کس طرح ہو سکتا ہے — اتنے بہت سے آدمیوں کے کان ایک ہی وقت میں کس طرح بج سکتے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تب پھر کہاں ہے وُہ درندہ — اور وُہ انسان جس کی ہم نے چیخ سُنی تھی؟"

"درندے کو شکار پکڑنے کے بعد ہمارا انتظار تو کرنا نہیں تھا، نکل گیا ہو گا کہیں کا کہیں۔"

"ہوں، لیکن خُون کے دھبے وغیرہ تو موجُود ہونے چاہییں۔"

"آگے بڑھتے چلو — نشانات ضرور ملیں گے۔" فارُوق بولا۔

تینوں بدستور آگے بڑھتے چلے گئے — یہاں تک کہ جھیل کا کنارہ بہت دُور رہ گیا:

"کہیں ہم خطرے میں نہ گھر جائیں۔"

"اللہ مالک ہے۔" فرزانہ بولی۔

اور آخر ایک جگہ انہیں کپڑے کی ایک دھجی پڑی نظر آئی — دھجی نئی تھی — اور صاف ستھری بھی —

"میرا خیال ہے، ہم ٹھیک سمت میں چل رہے ہیں، درندہ اپنے شکار کو لے کر اسی طرف ہی گیا ہے۔"

"ہوں!"

کچھ اور آگے چلنے پر انہیں ایک قلم پڑا نظر آیا —

"اُف خُدا — انسان شاید درندے کے پوری طرح قابو میں ہے۔"

فرزانہ کانپ اُٹھی۔

"کاش! وُہ ہمیں نظر آ جائے، پھر ہم اس آدمی کو ضرور بچانے کی کوشش کریں گے۔" محمود نے سرد آہ بھری۔

"اب ہم بہت دُور آ گئے ہیں، واپسی بھی آسان نہیں ہو گی — جُوں جُوں ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ جنگل خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

دو منٹ تک چلتے رہنے کے بعد انہیں ایک جُوتا پڑا ملا — اب تو وُہ کانپ اُٹھے:

"شاید وُہ آدمی اب ہمیں زندہ نہیں مِل سکتا۔"

"اگر ہم نے دوڑنا شروع کر دیا تو۔تو۔" فرزانہ کہتے کہتے رُک گئی —

"عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ تمہارے الفاظ کی گاڑی تو کے بعد رُک ہی جاتی ہے، اس لیے میرا خیال ہے، ہمیں حیران تو نہیں ہونا چاہیے۔"

"نہیں۔کوئی ضرورت نہیں۔" فرزانہ کی بجائے محمود نے مُسکرا کر کہا —

اس پر بھی فرزانہ کی آواز سنائی نہ دی تو انھوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا — اور یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ فرزانہ ساکت اور جامد کھڑی تھی:



"اوہو۔ بھئی کوئی بھوت تو نظر نہیں آ گیا۔"

"اس سے بھی خطرناک چیز نظر آ گئی ہے۔" فرزانہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"کیا چیز۔ ہمیں تو دُور دُور تک سوائے درختوں کے اور کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔ یہاں تک کہ درندہ تو کیا۔ کوئی چرند پرند بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں۔ درندوں سے بھی زیادہ خوفناک چیز مجھے نظر آ گئی ہے۔ آخر جنگل کے چرند پرند کہاں چلے گئے، یہ ان کے سونے کا وقت بھی تو نہیں ہے۔"

"اوہ!" محمود اور فارُوق کے منہ سے نکلا — آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں —

یہ حقیقت تھی — جنگل میں درندہ تو دُور کی بات ہے، کوئی پرندہ بھی نہیں تھا — نہ کسی قسم کی کوئی آواز سُنائی دے رہی تھی:

"ایسا معلوم ہوتا ہے — جیسے جنگل سو گیا ہے۔" محمود بڑبڑایا —

"جنگل۔ سو گیا ہے — ارے باپ رے — اب جنگل بھی سونے لگے — ہمارا کیا بنے گا۔"

"پپ۔ پتا نہیں۔" فرزانہ ہکلائی۔

"اگر تمھیں بھی پتا نہیں تو پھر تو ہم گئے کام سے۔ ویسے ایک بات ہے۔" فاروق نے سوچ کے انداز میں کہا۔

"کیا بات؟" محمود اور فرزانہ فوراً بولے۔

"یہ کہ یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔ سوتا جنگل۔" اس نے شوخ آواز میں کہا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھنجلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اب ہمیں آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ میں خطرے کی بُو محسوس کر رہی ہوں۔ پرندوں کا غائب ہونا بہت عجیب بات ہے۔"

"بھئی ہو سکتا ہے۔ وہ اس درندے سے ڈر کر اِدھر اُدھر اُڑ گئے ہوں۔" فاروق نے جتا کر کہا۔

"عجیب احمق ہو۔ آسمان پر نظر ڈالو۔ ایک بھی پرندہ اُڑتا نظر نہیں آ رہا۔"

"اوہ۔ یہ تو واقعی بہت سنسنی خیز بات ہے۔"

"وہ رُک گئے۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگے۔ ہر طرف ہُو کا عالم نظر آیا۔ اچانک فرزانہ تڑ سے گری، اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ ساتھ ہی اس نے کہا:

"لل۔ لیٹ جاؤ۔ تم بھی لیٹ جاؤ۔"

"لیکن۔ فرزانہ۔ یہ لیٹنے کا کون سا طریقہ ہے۔" محمود نے



اس کے نزدیک گرتے ہوئے کہا۔

"میں اس سے بہتر طریقے پر نہیں لیٹ سکتی تھی۔ میرے دائیں کندھے کی طرف دیکھو۔"

"کیا مطلب!" دونوں بوکھلا اُٹھے، اس وقت تک فاروق بھی نیچے لیٹ چکا تھا۔

اُنھوں نے دیکھا، فرزانہ کا کندھا خُون سے سُرخ ہو رہا تھا۔ خُون اس کے کپڑوں کو تر کرتا جا رہا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا ہوا فرزانہ؟"

"بے آواز فائر۔ گولی میرے کندھے سے رگڑ کھاتی گزر گئی۔"

"اوہ!" دونوں کے مُنہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر محمود نے کہا۔

"یہ بہت بُرا ہوا، ہم جھیل سے بہت دُور نکل آئے ہیں۔ جھیل سے شہر بھی نزدیک نہیں۔ اور تمھیں طبّی امداد کی فوری ضرورت ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اس حد تک زخمی نہیں ہوں۔ پہلے تو حملہ آور سے نبٹنا ہوگا۔ اگر ہم نے ایسے میں صرف بھاگ نکلنے کی کوشش کی تو ہم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔ وہ جو کوئی بھی ہے۔ بہت خطرناک ہے۔ پہلے تو اس نے کسی

گیس کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے درندوں اور پرندوں سے اس
جگہ کو صاف کیا، پھر چیخ کی آواز حلق سے نکالی اور پھر اپنی
چیزیں گراتا چلا گیا۔ تاکہ ہم جھیل سے دُور ہو جائیں۔ اور
جب کافی فاصلے پر آکر ہم رُک گئے تو اس نے جان لیا کہ
اب ہم خطرے کو بھانپ چکے ہیں۔ لہذا اس نے فائر کر
دیا، لیکن قسمت اچھی تھی کہ نشانہ کسی قدر چوک گیا۔ بلکہ یہ کہا
جائے تو مناسب ہو گا کہ میں عین اسی وقت تمہاری طرف
گھومی تھی۔ جب فائر کیا گیا اور اگر میں گھوم نہ گئی ہوتی تو
اس وقت شاید میری لاش پڑی ہوتی۔ اور اس کا مطلب
یہ ہے کہ ہمیں باقاعدہ سازش کا شکار بنایا گیا ہے۔" فرزانہ
نے کہا۔

"ہوں! تم ٹھیک کہتی ہو۔ خیر تم آرام سے لیٹی رہو۔
اب ہم اسے دیکھ لیں گے۔ ان شاء اللہ وُہ ہمارے ہاتھ سے
بچ نہیں سکے گا۔"

اب دونوں نے لیٹے لیٹے چاروں طرف کا جائزہ لیا، لیکن
دشمن کے آثار کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ تھوڑی دیر پہلے
جس طرف سے فائر ہوا تھا، اس طرف بھی کوئی نظر نہ آیا۔
گویا دُشمن کہیں چھپا ہوا تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں فارُوق۔ ہم بہت بڑے خطرے



میں گھر گئے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اس کے پاس پستول ہے۔
اور ہمارے پاس صرف ایک چاقو۔ لہذا اب ایک ہی حل
ہو سکتا ہے۔"

"اور وُہ کیا؟" فارُوق نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ کہ ہم دونوں مخالف سمت میں بڑھیں اور کسی نہ کسی طرح
جھیل تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اگر دشمن صرف ایک ہے تو اس
صورت میں وُہ صرف ہم میں سے ایک کو اُلجھا سکے گا۔" محمود نے
کہا۔

"اور فرزانہ کا کیا کریں؟"

"فرزانہ کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر میں دائیں طرف سے چکر کاٹ کر جھیل
تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم بائیں طرف سے۔ لیکن اس سے
پہلے فرزانہ کو صورتِ حال بتانا ہو گی۔"

"تم جاؤ۔ میں اسے بتا کر آگے بڑھوں گا۔" محمود نے کہا۔

فارُوق سینے کے بل رینگنے لگا۔ محمود نے فرزانہ کا رُخ
کیا۔ لیکن اس کے پاس پہنچ کر معلوم ہوا، وُہ بے ہوش ہو
گئی تھی۔ اس نے آسمان پر ایک نظر ڈالی اور واپس مڑا۔
اب وُہ بھی نیم دائرے میں جھیل کا رُخ کر رہا تھا۔ فرزانہ کو
اس طرح چھوڑ جانا حد درجے خطرناک تھا، لیکن وُہ اس کے سوا

کچھ کر بھی تو نہیں سکتے تھے۔

اچانک اسے رُک جانا پڑا — اس سے کچھ فاصلے پر ایک شخص کھڑا تھا — اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا — اس کے چہرے پر ایک طنزیہ مُسکراہٹ ناچ رہی تھی —



# جاسوسی چکر

پروفیسر داؤد نے فکر مندانہ انداز میں جھیل کے کنارے رہ جانے والے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی اور سرد آہ بھری:

"کیوں انکل! آپ نے اس قدر سرد آہ کیوں بھری"۔ حامد حیران ہو کر بولا —

"اس لیے کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی جاسوسی چکر شروع ہو چکا ہے"۔

"جاسوسی چکر، لیکن انکل — یہاں جاسوسی چکر کا کیا سوال — انکل اور ابّا جان غریب لوگوں کو بلاتے گئے ہیں — جنگل میں کسی آدمی کی چیخ سنائی دی تھی — محمود، فاروق اور فرزانہ اسے بچانے کے لیے جنگل میں داخل ہو گئے — تو اس میں جاسوسی کہاں سے آ گئی"۔ سرور بولا۔

"بھئی تم نہیں جانتے — یہ لوگ کہیں پہنچے نہیں اور جاسوسی چکر شروع ہوا نہیں — اسی لیے تو میں ان کے ساتھ کوئی تفریحی پروگرام

بناتے ہوئے ڈرتا ہوں ، لیکن اس بار تو ڈرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔"

" خیر گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔ ابّا جان اور انکل تو آنے ہی والے ہوں گے۔"

اور اسی وقت انھوں نے دُور سے کچھ لوگوں کو آتے دیکھ لیا :

" لیجیے ۔ شاید وُہ لوگ آ گئے۔" شائستہ نے فوراً کہا۔

" میں ابّا جان کو پہچان چکی ہوں۔" ناز نے خوش ہو کر کہا۔

کچھ دیر بعد وُہ لوگ انھیں بالکل صاف نظر آنے لگے تھے ۔ ظہور اور سلمیٰ اس وقت تک اپنا کام مکمل کر چکے تھے اور اب تو گویا مہمانوں کا انتظار تھا ۔ مہمان آنے ہی والے تھے :

" دیکھو بھئی ۔ آتے ہی اگر وُہ محمود ، فاروق اور فرزانہ کے بارے میں پوچھیں تو صرف یہ کہہ دینا کہ اس طرف گئے ہیں ، تاکہ مہمانوں کو کوئی اُلجھن نہ ہو اور وُہ بے فکری سے کھانا کھا سکیں۔" پروفیسر داؤد نے انھیں ہدایت دی۔

" جی بہتر۔" وُہ ایک ساتھ بولے۔

آخر سب لوگ نزدیک آ گئے ۔

" ہاں بھئی ۔ کیا کھانا لگ چکا ہے۔" خان رحمان بولے ۔



" جی ہاں بالکل ۔" ظہور نے فوراً کہا۔

" چلیے حضرات ۔ ڈٹ جائیے ۔ تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

" آپ ۔ آپ لوگ بھی کھائیے نا۔" ایک مچھیرے نے کہا۔

" ہاں ہاں کیوں نہیں ۔ ہم سب ایک ساتھ کھائیں گے۔"

اور وُہ بیٹھ گئے ۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید زور سے چونکے :

" ارے ۔ یہ محمود ، فاروق اور فرزانہ نظر نہیں آ رہے؟"

" اس طرف گئے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے جنگل کی طرف اشارہ کیا ۔

" بس ان میں یہی تو بُری بات ہے ۔ نچلے نہیں بیٹھ سکتے۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

" اور میرے خیال میں یہ بُری نہیں ۔ اچھی بات ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

" تم تو بس ان کی تعریف ہی کرتے رہتے ہو۔"

" اور کیا کروں ۔ میں مجبور جو ہوں ایسا کرنے پر۔"

" جمشید ذرا ادھر آ کر میری بات سُن لو۔" پروفیسر داؤد نے دبی آواز میں کہا۔

" خیریت تو ہے۔"

" پتا نہیں۔" پروفیسر داؤد بولے ۔

" یہ آپ دونوں کیا کھسر پسر کرنے لگے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

پروفیسر داؤد نے جیسے ان کا جملہ سُنا ہی نہیں ، انسپکٹر جمشید کا ہاتھ پکڑ کر قدرے فاصلے پر چلے آئے اور بولے :

" میں نے ان لوگوں کے سامنے ذکر کرنا مناسب خیال نہیں کیا، بے چاروں کو کھانے سے ہاتھ روکنا پڑتا ۔"

" آپ نے اچھا کیا ، لیکن بات کیا ہے ؟"

" جنگل سے ایک انسانی چیخ کی آواز آئی تھی ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ رُک نہ سکے ، فوراً آواز کی سمت میں چلے گئے ۔"

" انھیں یہی کرنا چاہیے تھا ۔"

" آخر یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں الگ الگ ۔" خان رحمان نزدیک آتے ہوئے بولے ۔

" ہمارے جانے کے بعد جنگل میں ایک انسانی چیخ اُبھری تھی ، محمود ، فاروق اور فرزانہ آواز کی سمت میں گئے ہیں ۔ پروفیسر صاحب نے ان غریبوں کے سامنے اس لیے یہ بات نہیں بتائی کہ وہ ہماری وجہ سے کھانے سے ہاتھ نہ اُٹھائیں ۔"

" ہوں ٹھیک ہے ، پھر اب کیا کرنا ہے ؟" خان رحمان بولے ۔

" میں اور تم جنگل میں چلتے ہیں ، پروفیسر صاحب اور باقی لوگ ان کے ساتھ کھانے میں شریک رہیں گے ۔"

" ہوں ! ٹھیک ہے ۔ آؤ چلیں ۔"



دونوں پروفیسر داؤد کی بتائی ہوئی سمت میں روانہ ہوئے ۔ ابھی انھیں چلتے چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک درخت کے پیچھے کسی کی جھلک نظر آئی :

" ہوشیار ۔ میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں ۔"

" یہ تو ہونا ہی تھا ۔" خان رحمان نے منہ بنایا ۔

" کیا مطلب ۔ کیا ہونا تھا ؟" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" یہ کہ ہم سب لوگ سیر کے لیے نکلے تھے ۔ کوئی نہ کوئی کیس تو پلّے پڑنا ہی تھا آخر ۔"

" اگر تمھیں معلوم تھا کہ یہ بات ہو کر رہے گی تو پھر پروگرام کیوں بنایا ۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے ۔

" کیا کیا جائے ۔ مدت سے کوئی پروگرام نہیں بنا تھا ۔"

" اچھا سنو ۔ اس درخت کے پیچھے ضرور کوئی چھپا ہوا ہے ۔ ہم دو سمتوں سے اس کی طرف بڑھیں گے ۔ تم دائیں طرف سے بڑھو، میں بائیں طرف سے ۔ کیا خیال ہے ۔ ٹھیک ہے ۔"

" ہاں ! یہ جنگ کے اُصولوں کے عین مطابق ہے ، لیکن میں سیر کے لیے گھر سے نکلا تھا ، میرے پاس پستول نام کی کوئی چیز نہیں ہے ۔" خان رحمان بولے ۔

" فکر نہ کرو ، میرے پاس بھی نہیں ہے ۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے ۔

" گویا یہ فکر والی بات نہیں ہے ۔ کمال ہے ۔ خان رحمان

حیران ہو کر بولے۔

"بھئی فکر والی بات کیونکر ہو سکتی ہے، جب کہ ہم سے پہلے محمود، فاروق اور فرزانہ میدان میں کود چکے ہیں اور ان کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں تھا۔"

"کم از کم محمود کے پاس تو چاقو موجود تھا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔خیر، اب دیر نہ کرو، آج تو ہم باتوں میں محمود اور فاروق کو بھی مات دے رہے ہیں۔"

دونوں دائیں بائیں سے درخت کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ راستے میں آنے والے درختوں کی اوٹ لے رہے تھے۔آخر دونوں ایک ساتھ اس تک پہنچ گئے، لیکن اس کے پیچھے کوئی بھی چھپا ہوا نظر نہ آیا۔

"لو بھئی۔تمہارا خیال بے بنیاد نکلا۔"

"نہیں بھئی۔کوئی ضرور اس درخت کے پیچھے چھپا تھا۔ ہو سکتا ہے، اس نے ہماری موجودگی کو بھانپ لیا ہو اور یہاں سے کھسک۔ ارے۔یہ دیکھو۔خون کے دھبے۔گویا وہ زخمی بھی ہے۔یہ خون کے دھبے ہمیں ضرور اس تک لے جائیں گے۔آؤ جلدی کرو۔"

خون کے قطرات تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گرے نظر آئے، وہ انہیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے:



"معلوم ہوتا ہے، جنگل میں کوئی گڑ بڑ ضرور ہوئی ہے۔ لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ کہاں ہیں؟" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"صاف ظاہر ہے، ہوں گے تو جنگل میں ہی۔" خان رحمان بولے۔

"بھئی واہ! تم تو فاروق کی جگہ لے رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"اور پھر ایک جگہ خون کے دھبے ختم ہو گئے، لیکن آس پاس کوئی زخمی آدمی نظر نہ آیا:

"یہاں سے وہ زخمی شاید ہوا میں اُڑ کر کسی طرف گیا ہے۔" خان رحمان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یا پھر اس کے جسم سے خون بہنا بند ہو گیا ہو گا۔"

"اوہ ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے، بلکہ ضرور یہی بات ہے۔"

عین اسی وقت ان کو دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی، لیکن آواز کافی دور سے آتی محسوس ہوئی تھی، ان کے کان کھڑے ہو گئے۔

"آؤ خان رحمان۔اب میں نہیں رک سکتا۔"

دونوں اسی سمت میں دوڑنے لگے۔تین منٹ تک تیز رفتاری سے دوڑنے کے بعد انہیں ایک آدمی نظر آیا، وہ کسی کو کندھے

پر ڈالے بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔

"خان رحمان۔ اس کے کندھے پر کون ہے؟"

"کک۔ کوئی لڑکی۔ شاید یہ کسی لڑکی کو اغوا کر کے لے جا رہا ہے۔" خان رحمان کانپ اُٹھے۔

"نہیں خان رحمان۔ یہ فرزانہ ہے۔" انسپکٹر جمشید چلّائے اور پوری رفتار سے دوڑنے لگے۔ عین اسی وقت ایک فائر ہوا اور وُہ مُنہ کے بل زمین پر گرے۔ ان کے ساتھ ہی خان رحمان بھی گرے۔

"تت۔ تم۔ تم ٹھیک تو ہو جمشید۔"

"ہاں، اگر میں گرنے میں دیر لگاتا تو پھر شاید ٹھیک نہ ہوتا۔"

"کم ازکم۔ یہ گولی سامنے سے تو آئی نہیں تھی۔ نہ ہی وُہ بھاگتے ہوئے اس طرف فائر کر سکتا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پیچھے بھی اس کا کوئی ساتھی مُوجود ہے۔"

"دیکھا خان رحمان، میں نے خطرے کی بُو ٹھیک سونگھی تھی۔ یہ لوگ فرزانہ کو لیے جا رہے ہیں۔ اسے اغوا ہونے سے بچانے کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وُہ یہ کہ تم پستول والے کو روکو، میں آگے جانے والے کو روکتا ہوں۔"

"ٹھ۔ ٹھیک ہے۔"

یہ کہتے ہی خان رحمان نے اپنا رُخ پیچھے کی طرف کر لیا اور



انسپکٹر جمشید نے اُٹھ کر ایک بار پھر دوڑ لگا دی، لیکن فوراً ہی ایک بار پھر فائر ہوا اور اس بار انھیں اپنی دائیں پنڈلی میں آگ سی لگتی محسوس ہوئی۔ ان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا جمشید۔ کہیں گولی تمھیں لگ تو نہیں گئی؟"

"میری فکر نہ کرو۔ پستول والے کو روکنے کی کوشش کرو۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے دوڑنا جاری رکھا۔ خان رحمان نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، لیکن حملہ آور انھیں کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اب تو وُہ بہت حیران ہوئے۔ ادھر اس کی طرف سے تیسرا فائر نہیں ہوا تھا اور انسپکٹر جمشید کافی دُور نکل گئے تھے۔ انھوں نے اب درختوں کے اوپر والے حِصّے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اور اچانک ایک درخت کی شاخوں میں چھپا دشمن انھیں نظر آ گیا:

"اوہ۔ تو وُہ اوپر موجود ہے۔ اور ہم اسے نیچے دیکھ رہے تھے، خیر۔ اب میں اسے نیچے اُترنے پر جمشید کے پیچھے تو ہرگز نہیں جانے دوں گا۔"

انھوں نے دل ہی دل میں کہا اور پیٹ کے بل رینگتے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے انھوں نے دشمن کو نیچے اُترتے دیکھ لیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں اب بھی پستول مُوجود تھا۔ مناسب فاصلے پر پہنچ کر اس نے درخت پر سے چھلانگ لگا دی۔ عین اسی وقت خان رحمان نے درخت کی اوٹ

سے نکل کر اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ سنبھل نہ سکا؛ تاہم اس
نے پستول والے ہاتھ کو استعمال کرنے کی ضرور کوشش کی۔ اور
اس کی نالی خان رحمان کے پیٹ میں بھونک دی۔ اس سے
پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا، خان رحمان نے نالی پر ہاتھ مار کر اسے
پیٹ سے الگ کر دیا، ایک فائر ہوا اور گولی کسی درخت میں
پیوست ہو گئی۔ ساتھ ہی خان رحمان نے دوسرے ہاتھ کا
ایک مکا اس کی ٹھوڑی پر رسید کر دیا۔ یہ مکا کچھ اس زور سے
لگا کہ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ خان رحمان نے موقع
مناسب جانا اور پے در پے کئی مکے اس کے رسید کر دیے، پھر
پستول اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اسے چھوڑتے ہوئے بولے:

"ہاتھ اوپر اٹھا دو دوست۔"

اس نے مشینی انداز میں ہاتھ اٹھا دیے۔ ناک سے بہنے
والے خون نے اس کے چہرے کو اور خوفناک بنا دیا تھا۔ یہ
ایک لمبا چوڑا اور مضبوط جسم کا آدمی تھا:

"تم کون ہو دوست؟" خان رحمان طنزیہ لہجے میں بولے۔

"مم۔ میں۔ میں۔" وہ ہکلایا۔

"خیر۔ تمھارا نام میں تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔" خان رحمان
نے پھر طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔



"تم یوں نہیں بولو گے۔ ٹھہرو۔ بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر خان
رحمان پستول والا ہاتھ بلند کر کے اس کی طرف بڑھے۔

"مم۔ میں جاگی ہوں۔ جاگی۔"

"جاگی۔ یہ کیا ہوتا ہے؟"

"یہ میرا نام ہے۔"

"اور تمھارا کام کیا ہے۔ دوسروں پر گولیاں برسانا۔ خیر
ہاتھ اوپر اٹھائے میرے آگے آگے چلو۔ خبردار کوئی غلط حرکت
کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں، گولی چلانا
بخوبی جانتا ہوں۔"

وہ اسے جھیل کے کنارے لے آئے۔ یہاں مچھیرے کھانے
کے ساتھ پوری طرح انصاف کر چکے تھے اور دستر خوان پر کھانے
کی ایک چیز بھی باقی نہیں بچی تھی۔ انھیں آتے دیکھ کر سب
لوگ چونک اٹھے، پستول دیکھ کر تو وہ خوف زدہ ہو گئے:

"یہ ایک مجرم ہے۔ ہمیں اسے پولیس کے حوالے کرنا ہے۔
لیکن پولیس کو فون کرنے کے لیے کافی دور جانا پڑے گا۔ لہذا
اسے باندھنا ہو گا، تاکہ یہ کوئی غلط حرکت نہ کر سکے۔"

انھوں نے مل کر اسے باندھا، پھر خان رحمان مچھیروں سے
مخاطب ہوئے:

"جب تک میں پولیس کو فون کر کے نہ لوٹ آؤں، آپ سب

لوگ یہیں رہیں گے — تاکہ یہ بھاگنے کی کوئی کوشش نہ کر سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم اس کے فرشتوں کو بھی نہیں بھاگنے دیں گے۔"

خان رحمان ایک کار میں بیٹھ کر شہری حدود کی طرف روانہ ہو گئے — فون کر کے لوٹے تو حالات جوں کے توں تھے — ابھی تک انسپکٹر جمشید یا محمود، فاروق اور فرزانہ میں سے کوئی لوٹ کر نہیں آیا تھا، پھر آدھ گھنٹے بعد اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا — حملہ آور پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے نکلا:

"اوہو — یہ تو جاکی ہے۔"



# اگلا قدم

انسپکٹر جمشید اس کے پیچھے دوڑتے چلے گئے — اگرچہ ان کی پنڈلی زخمی ہو چکی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے — وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے، کوئی شخص فرزانہ کو اغوا کر کے لے جا رہا تھا، یہ کس طرح ہو سکتا تھا، وہ اسے جانے دیتے — جب تک جسم میں سکت تھی — وہ اسے روکنے کی کوشش کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے —

اب درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا — جب کہ پہلے درمیانی فاصلہ کم ہونا شروع ہو گیا تھا — یہ بات محسوس کرتے ہوئے انھوں نے منہ سے اُلو کی آواز نکالی، لیکن آواز زور سے نہ نکل سکی — انھوں نے ایک بار پھر کوشش کی، لیکن محمود اور فاروق کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا — اب انہیں خود ہی تعاقب کرنا تھا — جیسے بھی ممکن ہو؛ چنانچہ وہ دوڑتے رہے، دوڑتے رہے — یہاں تک کہ فرزانہ کو لے جانے والا

ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، لیکن دوڑنا انھوں نے پھر بھی نہ چھوڑا — اور پھر انھیں ایک موٹر سائیکل کھڑی نظر آئی — اس جگہ سے سڑک بھی صاف نظر آ رہی تھی — موٹر سائیکل کے پاس ایک کار کے ٹائروں کے نشانات بالکل صاف نظر آ رہے تھے — وہ سمجھ گئے، حملہ آور کسی کار میں فرزانہ کو ڈال کر اس جگہ سے لے گیا تھا — انھوں نے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اسے سٹارٹ کیا اور سڑک پر آ گئے — کار کے ٹائروں کے نشانات شہر کی طرف جاتے نظر آئے، بس پھر کیا تھا، انھوں نے موٹر سائیکل شہر کی طرف ہی موڑ دی — اب پنڈلی کی تکلیف اور بڑھ گئی تھی، لیکن فرزانہ کے اغوا کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھا — وہ رفتار بڑھاتے چلے گئے — یہاں تک کہ شہری حدود شروع ہو گئیں — ایک ہوٹل کے پچھلے حصّے میں انھوں نے ایک کار کو کھڑے دیکھا — نہ جانے کیوں انھیں محسوس ہوا کہ مجرم ضرور اسی کار کے ذریعے فرزانہ کو لایا ہے — انھوں نے موٹر سائیکل کار کے پاس روک دی اور ہوٹل کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئے — سامنے ہی انھیں ایک زینہ نظر آیا — دائیں بائیں کوئی کمرہ نہیں تھا — البتہ ایک دروازہ ضرور ہوٹل کے ہال میں جانے کے لیے بنا ہوا تھا، لیکن صاف ظاہر ہے — فرزانہ کو لانے والا ہال میں تو نہیں جا سکتا تھا — انھوں



نے اوپر کا رُخ کیا — زینہ ختم ہونے پر ایک برآمدہ نظر آیا، اس کے دونوں طرف کمرے تھے — برآمدہ سنسان پڑا تھا، لیکن کسی وقت بھی کوئی دروازہ کُھل سکتا تھا اور اس میں سے کوئی نکل سکتا تھا، انھوں نے پروا نہ کی اور ایک ایک کمرے کے دروازے سے کان لگاتے اور تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکتے آگے بڑھنے لگے — اور پھر ایک کمرے میں رسیوں سے بندھی فرزانہ انھیں نظر آ گئی — ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا — دھک دھک کرتے دل کے ساتھ انھوں نے دستک دے ڈالی اور پھر ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے — کسی کے دروازے کی طرف آنے کی آہٹ ہوئی اور پھر دروازہ کُھل گیا — وہ دروازہ کھولنے والے کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے —

"خوش آمدید انسپکٹر صاحب!" ان کے کانوں سے ایک شوخ آواز ٹکرائی — انھوں نے چونک کر اپنے سامنے دیکھا — کمرے میں چار خونخوار قسم کے آدمی موجود تھے — وہ کرسیوں پر بیٹھے تھے — اور فرزانہ فرش پر بے ہوش پڑی تھی — دروازہ کھولنے والے کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پستول نظر آیا —

"یہ سب کیا چکر ہے دوستو"

"تمھیں اور تمھارے بچوں کو یہاں تک لانا تھا — بس اتنا ہی

چکر ہے۔"

"لیکن کیوں — ایسی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"شاید تم ہمیں نہیں جانتے انسپکٹر جمشید۔"

"ہو سکتا ہے، تم لوگ میک اپ میں ہو — اگر میک اپ ختم کر دو تو ضرور پہچان لوں گا۔"

"ہاں، لیکن ہمارا ایسا کوئی پروگرام نہیں۔" ان میں سے ایک بولا —

"ارے — تمھاری ٹانگ سے تو خون بہہ رہا ہے — اب تم کس طرح لڑ سکو گے۔" ان میں سے ایک اور بولا۔

"ہوں! تو تم لڑنے کا ارادہ بھی رکھتے ہو۔" انسپکٹر جمشید غرائے —

"اگر تم نے لڑنے کی کوشش کی تو جواب تو دینا ہی پڑے گا۔"

"بات ٹھیک ہے — اب بتاؤ چاہتے کیا ہو؟"

"بتا تو چکے ہیں — تم سب کو یہاں لانا تھا — ابھی دو رہتے ہیں، وہ بھی آتے ہی ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم نے جنگل میں جال کچھ اس طرح بچھایا تھا کہ تم لوگوں کے جال میں نہ آنے کا کوئی امکان نہیں تھا، اس لیے محمود اور



فاروق بھی بس آتے ہی ہوں گے۔"

"اچھی بات ہے — تو پھر ہم ان کا انتظار کیے لیتے ہیں — اسے باندھے رکھنے کا اب کیا فائدہ۔"

"ہاں، ضرور کیوں نہیں — چلو بھئی — کھول دو اسے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی — کیوں کھول دیں — ہم اپنے لیے خطرات کیوں پیدا کریں۔"

"وہ تو تم پیدا کر ہی چکے ہو۔" انسپکٹر جمشید تلخ انداز میں مسکرائے —

"چلو یونہی سہی، ہم ان میں اضافہ کیوں کریں۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی:

"لو — وہ آ پہنچے — جانی — دروازہ کھول دو۔" پستول والے سے کہا گیا —

"اگر میں نے دروازہ کھولا تو انسپکٹر جمشید کو حملہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔" اس نے اعتراض کیا۔

"تم فکر نہ کرو، پستول صرف تمھارے پاس نہیں ہے —" ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ہاتھوں میں بھی پستول نظر آئے۔

جانی نے مڑ کر دروازہ کھول دیا۔

انھوں نے دیکھا — محمود اور فاروق تھکے تھکے انداز میں چلے

آ رہے تھے اور ان کے پیچھے تین آدمی تھے، ان کے ہاتھوں میں بھی پستول تھے:

"اوہو — ابا جان — آپ بھی یہاں موجود ہیں۔"

"تو اور کیا کرتا — جونہی مجھے معلوم ہوا کہ تم لوگوں کا پروگرام یہاں آنے کا ہے، میں بھی ادھر کے لیے چل پڑا۔" وہ مسکرائے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"چلو جانی — اب باس کو فون کرو۔"

"اچھا!" جانی نے کہا — اور کمرے میں رکھے فون کی طرف بڑھا — اس وقت تک وہ دروازہ اندر سے بند کر چکا تھا۔

اس نے جلدی جلدی نمبر ملائے اور آخر بولا:

"ہیلو باس — وہ چاروں ہوٹل میں پہنچ چکے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا اور پھر ریسیور رکھ دیا:

"باس نے شاباش دی ہے اور وہ خود یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"بہت خوب! یہ اور بھی اچھا ہے۔" اسی نے جواب دیا۔

"تم لوگوں نے اب تک بتایا نہیں کہ یہ چکر کیا ہے؟"

"باس آنے ہی والے ہیں — ان سے پوچھ لینا۔" جانی نے کہا —

پانچ منٹ بعد ہی کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔



جانی نے اشارہ ملنے پر دروازہ کھول دیا — دوسرے ہی لمحے ایک دیو قامت آدمی اندر داخل ہوا:

"بہت خوب — سارا کام پروگرام کے مطابق ہو گیا نا۔"

"جی — جی ہاں — بالکل۔"

"پہلے تو مجھے تفصیل سناؤ — پھر میں بات کروں گا۔"

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کو یہاں تک لانے کے لیے جو کچھ کیا گیا تھا، وہ اسے بتایا گیا — آخر خاموش ہونے پر باس نے کہا:

"ویری گڈ — شاندار — مگر۔"

باس دھک سے رہ گیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

"کیا ہوا باس؟" کمرے میں موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا —

"وہ — وہ کہاں ہے — جگو —"

"جی — کون وہ۔" جگو بولا۔

"جاگی — کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں تھا۔" باس نے پریشان آواز میں کہا۔

"ج — جاگی — ارے — وہ کہاں رہ گیا۔"

"تم سب ایک دم احمق ہو — اس کا مطلب ہے، پروگرام میں

خرابی رہ گئی ۔ اور اب ہم اس وقت تک اگلا قدم نہیں اٹھا سکتے ۔ جب تک کہ جاکی نہ لوٹ آئے ۔"

"اوہ ۔ یہ تو بہت بُرا ہوا ۔"

"انتظار کرو ۔ اور جونہی جاکی لوٹے ، مجھے اِطلاع دو ۔ ان لوگوں کو باندھ لو ۔ ان کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکل سکے ۔"

"اوکے سر ۔ آپ فکر نہ کریں ۔" جنگو گھبرائی ہوئی آواز میں بولا ۔

اور باس باہر نکل گیا ۔ جنگو نے سب پر ایک قہر آلود نظر ڈالی اور غرّا کر بولا :

"جاکی کہاں رہ گیا ؟"

"اس کی ڈیوٹی درخت پر تھی ۔ درخت پر سے اس نے انسپکٹر جمشید پر فائر بھی کیا تھا ۔ ہمارا تو یہی خیال تھا کہ وہ ہوٹل کا رُخ کر چکا ہو گا اور یہاں پہنچ جائے گا ، لیکن نہ جانے اس پر کیا بیتی ۔" جانی بولا ۔

"اب اگر وہ نہ لوٹا تو مصیبت آجائے گی ۔ باس ہمیں کوئی انعام نہیں دے گا ۔"

"یہ ۔ یہ بُرا ہوا ۔ کیوں نہ ہم جا کر اسے تلاش کریں ۔"

"یہ اور بھی خطرناک ہو گا ۔ ہمیں یہیں ٹھہر کر اس کا انتظار



کرنا ہو گا ۔"

کمرے میں بوجھل سی خاموشی چھا گئی ، پھر جنگو چونکا :

"ارے ہاں ۔ ہمیں تو ان لوگوں کو باندھنا بھی ہے ۔"

"کوئی فائدہ نہیں ۔" انسپکٹر جمشید چہک کر بولے ۔

"کیا مطلب ؟" وہ سب چونک اُٹھے ۔

"مطلب یہ کہ اب جاکی نہیں آئے گا اور تم لوگوں کو ہمیں چھوڑنا پڑے گا ۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ہمیں فوراً چھوڑ دو ۔ ورنہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے ۔ ہو سکتا ہے جاکی کو پولیس لے کر ادھر کا رُخ کر رہی ہو ۔"

"اوہ ۔" وہ دھک سے رہ گئے ، پھر جنگو چیخ کر بولا :

"جانی ۔ تم ہوٹل کی چھت پر چڑھ جاؤ ۔ اور چاروں طرف نظر رکھو ، اگر پولیس آتی نظر آئے تو فوراً اطلاع دینا ۔"

"اچھی بات ہے ۔" جانی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا ۔ جنگو کے ایک اور ساتھی نے اُٹھ کر دروازہ بند کیا ۔

"اب بھی مجھے بتا دو ۔ تم لوگ چاہتے کیا ہو ؟"

"ہمیں نہیں معلوم ۔ صرف باس کو معلوم ہے ۔ کہ ان کا اگلا قدم کیا ہو گا ۔"

"اچھی بات ہے ۔ تمہاری مرضی ۔"

"فرزانہ کو کیا ہوا تھا بھئی ۔ یہ بے ہوش کیوں ہے ؟"

"اس کے شانے پر سے گولی چھوتی گزر گئی تھی۔ یہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ ہم آپ کو بلانے جھیل کے کنارے کی طرف بڑھے تو ہم پر بھی حملہ کیا گیا۔ درختوں پر سے دو آدمیوں نے بالکل بے خبری کے عالم میں ہم پر چھلانگیں لگائی تھیں، ہم سنبھل نہ سکے۔ اور آپ کی پنڈلی میں کیا ہوا؟"

"اس میں بھی گولی لگی ہے۔ نہ جانے ان لوگوں کا پروگرام کیا ہے۔" وہ بولے۔

جنگو کے چار ساتھی رسیاں لے کر ان کی طرف بڑھے۔ محمود اور فاروق نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا، جیسے پوچھ رہے ہوں —

"کیا خیال ہے ابا جان۔ کیا خود کو بندھوا لیں۔"

"ہاں بھئی۔ بندھوانا ہی ہو گا، کیونکہ فرزانہ بے ہوش ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اور ایک ایک کر کے انھیں باندھا جانے لگا۔ ابھی جنگو کے ساتھی اس کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی، جنگو نے ریسیور اُٹھایا اور بولا:

"یس باس۔ جی۔ جی نہیں۔ وہ کم بخت ابھی تک نہیں آیا۔"

یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا، آخر ریسیور رکھ کر بولا:



"چلو بھئی۔ باس کا حکم ہے۔ اب ہمیں جنگل میں جا کر اسے تلاش کرنا ہو گا۔ جب تک اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو جاتا، کچھ نہیں کیا جائے گا۔"

"اور ان کا کیا کریں؟" ایک نے پوچھا۔

"باندھ تو چکے ہی ہیں۔ بس دروازہ بند کر کے چلے جاتے ہیں۔ اور ہاں جانی کو بھی چھت پر سے بُلا لو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ جا چکے تھے۔ اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا جا چکا تھا۔ ان کے جانے کے ایک منٹ بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"محمود۔ اب اپنے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکالنے کی کوشش شروع کر دو۔"

"مجھے افسوس ہے ابا جان۔ میں چاقو نہیں نکال سکتا۔" محمود نے مسمی صورت بنائی۔

"کیا مطلب۔ نکال کیوں نہیں سکتے۔" وہ حیران ہو کر بولے۔

"اس لیے کہ جب ہم پر چھلانگیں لگائی گئیں۔ تو چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ وہ وہیں کہیں گر گیا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

اور کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی —

# دیسی طریقہ

" جاکی — کیا مطلب — یہ ریس والے گھوڑے دوڑاتا ہے "
خان رحمان حیران ہو کر بولے ۔
" نہیں — یہ بات نہیں — اس کا نام ہی جاکی ہے — یہ جرائم کے گھوڑے دوڑاتا ہے — بہت پرانا کھلاڑی ہے — کئی بار کا سزا یافتہ ہے ، معاوضہ لے کر لوگوں کے مجرمانہ کام انجام دیتا ہے "
" اوہ ! " ان کے منہ سے نکلا ۔
" ہاں تو جاکی — یہ سب کیا معاملہ ہے ؟ "
" جی — پتا نہیں — میں تو شکار کی غرض سے درخت پر چڑھا تھا — ایک خرگوش پر میں نے گولی چلائی تھی — پھر اسے پکڑنے کے لیے چھلانگ جو لگائی تو انھوں نے مجھ پر چھلانگ لگا دی — ذرا ان سے پوچھیے — آخر میں نے کیا کیا تھا "
" خان صاحب — آپ تفصیل سنائیں — اسے میں خود سیدھا کر



لوں گا "
انھوں نے جلدی جلدی ساری کہانی سنا ڈالی :
" اوہو — یہ تو کوئی سوچا سمجھا منصوبہ جان پڑتا ہے — سنو جاکی — تمھاری بہتری اسی میں ہے کہ سب کچھ صاف صاف بتا دو — ورنہ کمرۂ امتحان کی سیر کرنا ہوگی "
" بتا کیا دوں — کوئی بات ہو تو بتاؤں بھی — میں کہہ چکا ہوں کہ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کہ یہ صاحب مجھے پکڑ لائے "
" ہوں — تم یوں نہیں مانو گے — اچھا جاکی — اب تم پر سختی کرنا ہوگی "
" انسپکٹر صاحب — آپ کو مجھ پر سختی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ، آپ کو جواب دہ ہونا پڑے گا "
" اچھا — میں جواب دے لوں گا " اکرام نے بھنا کر کہا ، پھر ماتحتوں سے بولا :
" لے چلو بھئی اسے "
" لیکن اکرام — ہم کیا کریں ؟ "
" ہم سب جنگل میں ان کی تلاش میں نکلتے ہیں — اس شخص سے آسانی سے کچھ اگلوانا ممکن نہیں — یہ کمرۂ امتحان میں جا کر ہی بولے گا — یہ کام میرے ماتحت خود ہی کر لیں گے — میں بھی آپ کے ساتھ ان کی تلاش میں نکلوں گا "

"لیکن اس سے یہیں کیوں نہ اُگلوانے کی کوشش کی جائے، فوج میں ہم غیر مُلکی جاسوسوں کی زبان کھلوانے کے لیے ایک دیسی طریقہ اختیار کرتے تھے۔ کیوں نہ اسے آزما کر دیکھ لیا جائے۔"

"اور وُہ دیسی طریقہ کیا ہے؟"

"چار چھوٹی چھوٹی لکڑیاں لے لیں۔ پتلی پتلی۔ خشک لکڑیاں۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا کر ان لکڑیوں کو اس کی اُنگلیوں کے درمیان میں رکھ دیں اور پھر لکڑیوں کو دونوں ہاتھوں سے دبائیں۔ یہ چلّا اُٹھے گا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"میرا ایسا خیال نہیں۔"

"تجربہ کرکے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

شاخیں درختوں سے توڑی گئیں۔ جاکی کے ہاتھ ملائے گئے شاخیں اُنگلیوں کے درمیان رکھی گئیں، پھر شاخوں کو زور سے دبا[یا] گیا۔ کچھ دیر تک تو جاکی ہونٹ بھینچے رہا، پھر چیخ اُٹھا:

"ارے ارے۔ میں۔ میں مرا۔ نہ کرو۔ نہ دباؤ۔"

"بدستور دباتے رہیں گے۔ جب تک تم یہ نہیں بتا دو گے یہ کیا چکر ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا، کیونکہ اگر میں نے بتا دیا تو۔" وُہ کہتے کہتے



رُک گیا۔

"تو کیا؟"

"گگ۔ کچھ نہیں۔" اس نے کہا۔

"یہ بات ہے۔ چلو بھئی اور زور سے دباؤ۔"

"نن نہیں۔ نہیں۔" وُہ چلّا اُٹھا۔ اور شاخوں پر اور زور لگایا گیا۔ اب وُہ تڑپ اُٹھا اور اس نے چلّا کر کہا:

"ٹھہرو۔ بتاتا ہوں۔"

"ٹھہریں گے نہیں۔ پہلے بتا دو۔"

"وُہ۔ وُہ۔ ہوٹل شام لال کی دوسری منزل کے پہلے کمرے میں ہیں۔" اس نے یک دم کہا۔

"لو بھئی اکرام۔ پتا چل گیا نا۔ اب اسے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دو۔ ہمیں فوری طور پر ہوٹل شام لال پہنچنا ہے۔ کیا تمھیں معلوم ہے۔ یہ ہوٹل کہاں ہے؟"

"ہاں۔ اس جنگل کے دوسری طرف ایک سڑک نکلتی ہے۔ وُہ اس سڑک پر واقع ہے، لیکن ہم جنگل کی بجائے سڑک سے جائیں گے۔ اس طرح ہمیں چکر ضرور پڑے گا، لیکن جنگل کی نسبت پھر بھی جلدی پہنچیں گے۔ کیونکہ جنگل میں گاڑیوں کی رفتار بہت کم رہے گی۔"

یہ جھیروں کو چھٹی دے دی گئی اور ان کا قافلہ ہوٹل کی طرف

روانہ ہو گیا۔ پروفیسر داؤد، بچوں اور عورتوں کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے، کیونکہ تفریحی پروگرام کیس کی نذر ہو گیا تھا۔

آخر وہ ہوٹل شام لال پہنچے۔ ہوٹل کے مینجر کو ساتھ لے کر وہ دوسری منزل کے پہلے کمرے کے سامنے پہنچے۔ تالے کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔ آخر دوسری چابی سے دروازہ کھولا گیا اور وہ لوگ اندر داخل ہو گئے، اس وقت تک انسپکٹر جمشید اپنی رسیاں کھول چکے تھے اور محمود کو کھول رہے تھے۔

"مبارک ہو جمشید۔ ہم پہنچ گئے۔"

"شکریہ۔" وہ مسکرائے۔

رسیوں سے آزادی کے بعد انسپکٹر جمشید ہوٹل کے مینجر کی طرف مڑے:

"اس کمرے میں کون ٹھہرا ہوا ہے؟"

"مسٹر جنگو نامی ایک آدمی۔"

"جنگو!" اکرام نے حیران ہو کر کہا، پھر وہ جلدی سے بولا:

"ہوں ٹھیک ہے۔ جابی آج کل جنگو کے ساتھ ہی کام کر رہا ہے۔"

"اور میرا بھی ایک اندازہ سن لیں، لیکن نہیں۔ پہلے تو میں حالات سنا دوں۔"



یہ کہہ کر انھوں نے پوری تفصیل سنا دی، پھر بولے:

"اب میرا اندازہ یہ ہے کہ باس بھی اسی ہوٹل کے کسی کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے، کیونکہ وہ فون کرنے کے صرف پانچ منٹ بعد یہاں آ گیا تھا۔"

"اوہ! تب تو اسے گرفتار کرنا بہت آسان ہے۔ ہوٹل کے تمام دروازے بند کرا دیے جائیں اور ایک ایک آدمی کو چیک کر لیا جائے۔" اکرام بولا۔

"لیکن جناب! اس طرح تو میرے ہوٹل کی بہت بدنامی ہو گی۔" مینجر نے پریشان ہو کر کہا۔

"خیر۔ ہم ہر بیرونی دروازے پر سادہ لباس والے مقرر کر دیتے ہیں اور ایک ایک کمرے کے مقیم کو ایک ایک نظر دیکھ لیتے ہیں، اس میں تو کوئی حرج نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے تجویز پیش کی۔

"جی نہیں۔ ایسا آپ شوق سے کر سکتے ہیں۔" مینجر نے کہا۔

اس ترکیب پر عمل شروع کیا گیا۔ اکرام نے سادہ لباس والوں کو فون کیا۔ انتظامات مکمل ہونے کے بعد ایک ایک کمرے میں ٹھہرے لوگوں کو دستک دے کر دروازے کھولنے پر مجبور کیا گیا۔ لوگ بہت حیران اور پریشان تھے کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ اس کام میں تقریباً دو گھنٹے لگے، لیکن وہ شخص نظر نہ آیا جو باس کے طور پر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"یہ کیا ہوا سر۔"

"شاید وہ پہلے ہی ہوٹل سے جا چکا ہو گا۔" محمود بولا۔

اس وقت تک انسپکٹر جمشید اور فرزانہ کی مرہم پٹی کی جا چکی تھی اور فرزانہ بھی اب ہوش میں تھی؛ تاہم اسے لٹا دیا گیا تھا۔

"نہیں۔وہ ہوٹل میں ہی موجود ہے، لیکن شاید اس نے اپنا حلیہ تبدیل کر لیا ہے۔میں ایک بار پھر سے ہوٹل کا جائزہ لوں گا۔" انھوں نے کہا۔

"جی کیا فرمایا۔ایک بار پھر۔اس طرح تو لوگ بہت پریشان ہوں گے۔"

"ہم بھی تو بہت پریشان ہو رہے ہیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آپ نے جرائم پیشہ لوگوں کو ہوٹل میں ٹھہرایا ہوا کیوں تھا۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جی۔میں نے۔لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ لوگ جرائم پیشہ ہیں۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔

"آپ یہ ہوٹل کب سے چلا رہے ہیں؟"

"بہت عرصے سے۔"

"آپ اس کے صرف مینجر ہیں یا مالک بھی ہیں۔"

"میں ہی اس کا مالک ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن ابا جان۔آپ ان کی ذات کے بارے میں سوالات کیوں



کرنے لگے۔ہمارا مسئلہ تو اس وقت باس کی تلاش ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کبھی کبھی میرا بھی دماغ چل جاتا ہے۔تم کچھ خیال نہ کرو۔ہاں تو مینجر صاحب۔تو یہ ہوٹل آپ کا ہے۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"آپ نے اسے خود بنوایا تھا؟"

"جی نہیں۔خریدا تھا۔"

"کس سے؟"

"ہوٹل کے پہلے مالک کا نام گردھاری مل تھا۔یہ ہوٹل میں نے اس سے خریدا تھا۔"

"بہت خُوب۔تو گردھاری مل آپ کو یہ ہوٹل بیچ گیا تھا۔آپ کے پاس کاغذات تو ہوں گے اس کی خریداری کے۔"

"جی ہاں۔کیوں نہیں۔"

"اور گردھاری مل کدھر گیا؟"

"جی۔وہ اس مُلک سے چلا گیا تھا۔اس نے کسی دُوسرے مُلک میں کوئی کاروبار شروع کر لیا تھا۔"

"اور یہ آج سے کتنا عرصہ پہلے کی بات ہے۔"

"قریباً تین سال پہلے کی۔" اس نے بتایا۔

"گویا آپ تین سال سے اس کے مالک چلے آ رہے ہیں۔"

"ہاں — یہی بات ہے۔"

"لیکن میرا خیال اور ہے۔" اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کا خیال اور ہے — کیا مطلب — میں نہیں سمجھا — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میرا خیال یہ ہے کہ آپ ہی وہ باس ہیں — جسے ہم تلاش کر رہے ہیں۔"

"کیا!!!" وہ سب چلا اُٹھے۔

مینجر اُچھل پڑا اور پھر اس نے نکل بھاگنے کے لیے ایک لمبی چھلانگ لگا دی، لیکن محمود اس سے پہلے چھلانگ لگا چکا تھا — نتیجہ یہ کہ دونوں اُلجھ کر دھڑام سے گرے۔

"بھئی ذرا سنبھل کر — تم لوگوں کو تو گرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا۔" فاروق شوخ لہجے میں بولا —



# اس بات کو چھوڑیں

سادہ لباس والوں نے مینجر کو جکڑ لیا —

"تو وہ باس یہی شخص ہے۔"

"ہاں! یہ اپنی آواز اور لہجے پر پوری طرح قابو نہیں رکھ سکا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن اسے ہم سب کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

"یہ تو یہی بتائے گا — لیکن نہیں — ٹھہرو — مجھے حیرت تو اس بات پر ہے کہ ہم تو پروگرام کے بغیر جھیل کے کنارے پہنچ گئے تھے، لیکن ان کا پروگرام سوچا سمجھا پروگرام تھا، پھر آخر یہ لوگ یہاں پہلے سے کس طرح موجود تھے — یا یہ کہ انھیں کس طرح معلوم ہوگیا تھا کہ ہم یہاں ضرور آئیں گے۔"

"واقعی — یہ بہت حیران کن بات ہے۔"

"مسٹر مینجر — کیا تم بتاؤ گے کہ یہ سب کیا ہے۔"

"افسوس! میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" اس نے کہا۔

"اگر تم کچھ نہیں بتاؤ گے تو ہم دوسرا طریقہ اختیار کریں گے، اور تمہیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ دوسرا طریقہ دوسرا ہی ہوتا ہے، پہلا نہیں۔" فاروق بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" محمود جھلا کر بولا۔

"پتا نہیں۔ ابا جان۔ آپ کیا کہتے ہیں۔" فاروق ان کی طرف مڑا —

"ہمیں اس کی زبان کھلوانا ہوگی، لیکن اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم پہلے اس ہوٹل کی اچھی طرح تلاشی لیں — یہ حضرت اس قسم کے اور بھی نہ جانے کتنے کارنامے انجام دے چکا ہوگا۔"

"جی ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔"

"اس کا خیال رکھنا۔ بھاگنے نہ پائے، ہم ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ابھی آتے ہیں۔" اکرام بولا۔

"بھئی واہ! اب تو انکل اکرام بھی محاورات کا استعمال کرنے لگے۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"تم لوگوں کی صحبت میں رہ کر جو نہ ہو جائے، کم ہے —" خان رحمان بولے۔

اور وہ مسکرا دیے، ہوٹل کی تلاشی شروع ہوئی۔ رخصت



ہونے سے پہلے انسپکٹر جمشید بولے:

"بھئی تہ خانے کے امکان کا بھی خیال رکھنا۔ ایسے لوگ تہ خانے ضرور بنواتے ہیں۔"

"جی بہتر!" محمود بولا۔

"ہم تو پھر توجہ ہی تہ خانے کی تلاش پر دیں گے۔" فرزانہ نے کہا —

آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد محمود، فاروق اور فرزانہ نے آ کر بتایا:

"ابا جان! مبارک ہو، ہم نے ایک عدد تہ خانہ تلاش کر لیا ہے۔"

"ویری گڈ! یہ ہوا ہے کام۔ آؤ چلیں۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا —

وہ سب تہ خانے میں اترے۔ گندی ہوا کے خارج ہونے کا انتظار کر لیا گیا تھا۔ گیس لیمپ کی روشنی کا انتظام بھی کر لیا گیا تھا۔ ایک ایک سیڑھی اترتے وہ تہ خانے کے فرش پر پہنچ گئے —

تہ خانے میں مختلف قسم کی چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کچھ خالی پیٹیاں بھی رکھی تھیں۔ فرش کچا تھا، ایک جگہ انسپکٹر جمشید کے قدم رک گئے اور انھوں نے دو تین بار اچھل کود

کر دیکھا :

" ورزش کر رہے ہیں ابّا جان ؟" فاروق حیران ہو کر بولا۔

" نہیں ، اس جگہ زمین قدرے نرم محسوس ہوتی ہے ۔" انھوں نے کہا —

" اوہ ! یہ تو بہت خطرناک بات ہے ۔"

" ہاں ! بھئی اکرام ، اس جگہ کو کھود کر دیکھنا ہی ہو گا ۔"

" جی بہتر !" اس نے کہا اور اوپر چلا گیا۔

کھدائی شروع کی گئی — اور جب قریباً ڈیڑھ میٹر گہرا گڑھا کھد گیا تو ایک کدال کسی سخت چیز سے ٹکرائی ، سادہ لباس والے کے منہ سے مارے خوف کے نکلا :

" ارے ! یہ کیا ۔"

سب گڑھے پر جھک گئے ، اب مٹی ہاتھوں سے ہٹائی گئی ، اور یہ دیکھ کر وہ تھرا اُٹھے کہ گڑھے میں ایک انسانی جسم موجود تھا —

" مینجر کو یہیں لے آؤ ۔" انسپکٹر جمشید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا —

" یہ — یہ کون ہے ابّا جان ؟"

" گردھاری مل !" انھوں نے کہا ۔

" کیا !" وہ ایک ساتھ چلّا اُٹھے —



اکرام کے آدمی مینجر کو لے آئے ، اس کا چہرہ پہلے ہی دُھواں ہو رہا تھا ، شاید سادہ لباس والوں نے اُسے بتا دیا تھا کہ تہہ خانے میں ایک دفن شدہ لاش ملی ہے ۔

" ہاں تو مسٹر مینجر — یہ کس کی لاش ہے ؟"

" مم — میں کیا جانوں ۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

" اب انکار کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا ، کیونکہ لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا ، ماہرین یہ تک معلوم کر لیں گے کہ اسے کتنا عرصہ پہلے قتل کیا گیا تھا — پھر ہم یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ یہ ہے کون — لہذا چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا — کیا یہ شخص گردھاری مل نہیں ہے ۔"

" ہاں !" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا ، انھیں یوں لگا کہ جیسے اس کی آواز کسی اندھے کنوئیں سے آئی ہو ۔

" تو تم نے ہوٹل پر قبضہ کرنے کے لیے اسے ہلاک کر دیا تھا ، اور اس جرم کا پتا شاید اس لیے نہیں لگا کہ گردھاری مل کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہو گا ۔"

" جی ہاں ! یہی بات ہے — گردھاری مل کے ہوتے ہوئے بھی میں اس ہوٹل کا مینجر تھا — ایک روز میں نے سوچا ، اگر میں اسے ٹھکانے لگا دوں تو پورے ہوٹل کا مالک بن سکتا ہوں — چنانچہ میں یہ کام کر گزرا اور مشہور کر دیا کہ گردھاری مل ہوٹل

فروخت کر کے دوسرے ملک چلے گئے ہیں۔ اس بات پر کسی کو بھی شک نہیں ہوا، کیونکہ گردھاری مل کی زندگی میں ہی میں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ اس ملک سے چلے جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ اس قسم کی باتیں سن سن کر اس نے بھی لوگوں کے سامنے کہنا شروع کر دیا کہ ہاں۔ اس کا ارادہ ہے کہ باہر چلا جائے۔"

"خیر۔ یہ تو ہوا۔ لیکن تمھیں یہ کس طرح پتا چل گیا تھا کہ ہم آج سنہری جھیل جا رہے ہیں۔"

"جو شخص مجھ سے یہ کام لے رہا ہے، اس نے بتایا تھا کہ آپ لوگ آج سنہری جھیل جا رہے ہیں۔ وہیں ہم اپنا کام کر سکیں گے۔"

"کیا مطلب۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"آپ لوگوں کو اغوا میں نے اپنی خواہش یا کسی ضرورت کے تحت نہیں کیا۔ کوئی دوسرا یہ چاہتا تھا کہ آپ سب کو ٹھکانے لگا دیا جائے، اسی لیے میں نے اپنے آدمیوں کے ذریعے آپ لوگوں کو اغوا کرا لیا۔" اس نے کہا۔

"لیکن کیوں۔ ٹھکانے لگانے کا کام تو جنگل میں زیادہ آسانی سے ہو سکتا تھا۔"

"جی نہیں۔ وہاں لاشیں ٹھکانے لگانے کا مسئلہ پیدا ہوتا،



جب کہ ہوٹل میں میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔"

"تو یہ اطلاع اسی نے تمھیں دی تھی کہ ہم لوگ آج سنہری جھیل کا رخ کریں گے۔"

"ہاں! جونہی مجھے یہ اطلاع ملی، میں نے پروگرام ترتیب دے ڈالا۔"

انسپکٹر جمشید یک دم خان رحمان کی طرف گھوم گئے:

"خان رحمان! یہ ہم کیا سن رہے ہیں۔"

"میں خود حیران ہوں۔ میں نے اس پروگرام کے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔"

"کیا سنہری جھیل کی طرف آنے کا پروگرام تمھارا پہلے سے تھا۔"

"ہاں! میں کئی دن سے سوچ رہا تھا اور پھر کھانا وغیرہ تیار کرانے کے سلسلے میں ظہور وغیرہ سے بھی بات چیت ہوئی تھی، ان میں سے کسی نے کسی سے ذکر کر دیا ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔"

"خیر۔ ان سے بھی پوچھ لیں گے۔" انھوں نے کہا اور پھر مینجر کی طرف مڑے:

"وہ کون ہے، جس نے تمھیں اس کام پر مامور کیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا، اس نے مجھ سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا اور میرا معاوضہ بذریعہ ڈاک بھیجا تھا۔"

"اور وہ کیا چاہتا تھا۔ صرف اتنا کہ ہمیں ٹھکانے لگا دیا

جائے۔"

"ہاں ! صرف آپ چاروں کو ۔ کسی اور کے بارے میں اس نے نہیں کہا تھا۔"

"ہوں ! گویا مطلب یہ ہوا کہ کوئی نا معلوم شخص ، ہم چاروں کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے لیے بُری طرح بے چین ہے ، اس نے یہ کام مینیجر کے ذریعے لینا چاہا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مینیجر صاحب تم اس قسم کے کام اکثر کرتے رہتے ہو اور اس آدمی کو تمھارے بارے میں اچھی طرح معلوم تھا۔ اگر معلوم نہ ہوتا تو وہ یہ کام تم سے کس طرح لے سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے ، کسی ایسے آدمی نے اس نا معلوم آدمی کو تمھارے بارے میں بتایا ہو جس نے تم سے کوئی کام لیا ہو گا۔ خیر۔ مطلب یہ ہوا کہ کوئی شخص شہر میں ایسا موجود ہے جو ہمیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ کیا خیال ہے تمھارا۔"

"جی ہاں ! یہی بات ہے۔" مینیجر فوراً بولا۔

"اور وہ آدمی کون ہے ؟" انھوں نے یک دم کہا۔

"افسوس ! میں نہیں جانتا۔"

"ہوں۔ اس نے تمھیں کتنی رقم بذریعہ ڈاک بھیجی تھی۔"

"دس ہزار روپے۔ میں ایسے کاموں کے پچاس ہزار روپے لیتا ہوں۔"



"اور یہ بات اسے کس نے بتائی ؟"

"پتا نہیں۔ میں خود حیران ہوں۔"

"اکرام ! مجھے ایک جگہ جانا ہے۔ سب لوگ یہیں موجود رہیں گے ، ابھی یہ خبر نہیں اُڑنی چاہیے کہ ہوٹل شام لال کے مینیجر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"آپ۔ کہاں جا رہے ہیں ؟" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"ایک جگہ۔ بہت ضروری کام سے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ایک گھنٹے تک لوٹ آؤں گا۔"

"تو ہم تینوں بھی یہیں رہیں گے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں ! میں تنہا ہی جا سکتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے کوئی چیز نکالی اور تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف قدم اٹھانے لگے۔ جب وہ ہوٹل سے باہر نکلے تو ان کا چہرہ تبدیل ہو چکا تھا۔ اور انھیں کوئی آسانی سے نہیں پہچان سکتا تھا۔ انھوں نے ہوٹل کے باہر کھڑی اپنی کار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ان کی کار اکرام وغیرہ لے آئے تھے۔ پندرہ منٹ بعد وہ ٹیکسی سے اُترے اور ایک گھر کے دروازے پر دستک دی۔ جلد ہی دروازہ کھل گیا اور ایک بوڑھے آدمی کا چہرہ دکھائی دیا :

"کیا بات ہے ؟"

"مجھے کچھ معلومات کی ضرورت ہے۔"

"میرا پتا کس نے بتایا؟" اس نے پوچھا۔

"اس بات کو چھوڑیں، معلومات مل سکیں گی یا نہیں، معاوضہ معقول ملے گا۔"

"اچھا — اندر آ جاؤ۔"

وہ اس کے پیچھے چلتے ایک گندے سے کمرے میں داخل ہوئے اور کرسی پر بیٹھ گئے:

"ہاں! اب بتاؤ — کس قسم کی معلومات درکار ہیں۔"

"شہر میں کوئی ایسا آدمی ہے — جو کچھ لوگوں کو ٹھکانے لگا سکے۔"

"اوہ! یہ تو بہت خطرناک کام ہے۔" بوڑھے نے کانپ کر کہا۔

"تو شہر میں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے۔" انھوں نے مایوسانہ انداز میں کہا اور اُٹھنے لگے۔

"ارے ارے — آپ اُٹھ کیوں رہے ہیں، میں نے کب کہا ہے کہ ایسا آدمی نہیں ہے۔"

"تو ایسا کوئی آدمی موجود ہے — بہت خُوب — تب تو میں ضرور بیٹھوں گا۔"

"کیا تمھیں کچھ لوگوں کو ٹھکانے لگوانا ہے۔"

"آپ اس بات کو چھوڑیں — اس آدمی کے بارے میں بتائیں۔"



"میرا گھر ایک طرح کا انسائیکلوپیڈیا ہے — جرائم کا انسائیکلوپیڈیا، مجرموں کے بارے میں ایک ایک تفصیل مل سکتی ہے — لیکن پیسے بہت خرچ کرنا پڑتے ہیں، کیونکہ مجھے پولیس والوں کو بھی تو خوش رکھنا پڑتا ہے — اگر انھیں ان کا حصّہ نہ ملے تو مجھے سلاخوں کے پیچھے ڈال دیں — ہاں تو پہلے معاوضہ نکالیں — صرف پانچ ہزار روپے۔"

انسپکٹر جمشید نے بٹوہ نکالا اور اس میں سے پانچ ہزار روپے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے —

"تمھارا کام ہوٹل شام لال کا مینجر کر دے گا — اس سے مل کر معاملہ طے کر لو — میرا نام لے دینا، پھر وُہ تم سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔"

"شکریہ — کیا آپ نے کسی اور کو بھی مینجر کا نام بتایا ہے؟" انھوں نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب!" وہ چونک کر بولا۔

"میں اس لیے پوچھ رہا ہوں، کہیں ہوٹل شام لال کا مینجر اس کے کام میں نہ اُلجھا ہوا ہو۔"

"اس کے پاس کام کرنے والے بہت آدمی ہیں، وُہ ایک وقت میں کئی آدمیوں کا کام نبٹا سکتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے اُٹھتے ہوئے کہا، پھر رُک کر بولے:

" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہاں کوئی بھی آ کر آپ سے معلومات حاصل کر سکتا ہے ۔ کیا آپ کو خوف محسوس نہیں ہوتا ۔ کوئی غلط آدمی بھی تو آپ تک پہنچ سکتا ہے ۔"

" نہیں ! مجھ تک کوئی غلط آدمی نہیں پہنچ سکتا ، کیونکہ میں نے کچھ اشارے قائم کر رکھے ہیں ۔ جب میں پوچھتا ہوں ، آپ کو کس نے بھیجا ہے تو دوسرا جواب میں یہ کہتا ہے ، اس بات کو چھوڑیں ۔ اور میں جان لیتا ہوں کہ اسے میرے کسی واقف کار نے ہی بھیجا ہے ۔ اور بھی ہر قسم کے معاملات میں مَیں مدد کر سکتا ہوں ۔"

" اچھا تو کیا آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ ان دنوں جیراج کہاں ہے ؟"

" کیا !!! " بوڑھا اُچھل پڑا ۔ اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی چلی گئیں ۔۔۔



# موت کا خواہش مند

" کیا بات ہے ۔ خیر تو ہے ۔ کیا میں نے کوئی بہت غلط بات پوچھ لی ۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے ۔

" آپ ۔ آپ جیراج کو کس طرح جانتے ہیں ۔"

" کسی زمانے میں میرا اس سے کچھ تعلق تھا ، پھر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا اور آج تک اس کا کوئی پتا نہیں چل سکا ۔"

" آپ کا اس سے کوئی تعلق تھا ۔ آپ کا نام کیا ہے ؟"

" کیا مجھے پھر یہی کہنا چاہیے کہ اس بات کو چھوڑیں ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔۔۔

" نہیں ! اب آپ کو نام بتانا چاہیے ۔" بوڑھا زبردستی مُسکرایا ۔

" تو پھر میرا نام انسپکٹر جمشید ہے ۔"

" نہیں !!! " اس بار وہ اس قدر زور سے اُچھلا کہ کُرسی اُلٹ گئی ۔ اس کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی ۔

" او ہو ۔ ایسی بھی کیا گھبراہٹ ۔ جُرم کرنے والوں کو اس دن

کا انتظار تو رہنا ہی چاہیے — جب ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوتی ہیں — آخر مجرم کب تک بچ سکتا ہے — مسٹر جیراج ۔"

کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا — بوڑھے جیراج کے مُنہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا ، آخر انسپکٹر جمشید ہی بولے :

" اب تم حیران ہو رہے ہو گے — کہ میں یہاں کس طرح پہنچ گیا — بھئی میں تو دراصل جیراج سے ہی ملنے آیا تھا ، لیکن یہاں نظر آیا ایک بوڑھا — بات دراصل یہ ہے کہ ایک مدّت پہلے یہ تمہارا گھر تھا — اور تم اس قسم کے کام انجام دیتے تھے ، یعنی مجرمانہ معلومات دوسروں کو فروخت کرتے تھے — جرائم کی دُنیا سے معلومات حاصل کرنے کے لیے لوگ تمہارے پاس آتے تھے — پھر تمہارے اس خطرناک کاروبار کا علم مجھے ہو گیا — میں نے تمہیں گرفتار کر لیا ، لیکن تم حوالات سے بھاگ نکلے — اس کے بعد تمہارا کوئی پتا نہ چل سکا — یہ مکان تم نے کرائے پر لے رکھا تھا — اس کے مالک نے پھر یہ مکان ایک بوڑھے کو دے دیا — یہ خبر مجھے اپنے ایک ماتحت کے ذریعے ملی تھی — کاش میں نے اسی وقت آ کر بوڑھے کو دیکھ لیا ہوتا — آج جب ہوٹل شام لال کے مینجر نے یہ ذکر کیا کہ اس سے ہمارے قتل کا کام کسی نامعلوم آدمی نے لینا چاہا ہے اور اس نامعلوم آدمی کو مینجر کا پتا کس طرح لگا — یہ مینجر کو بھی معلوم نہیں ، تو مجھے تم یاد آ گئے — اچانک میں



نے محسوس کیا — کہیں تم اپنے اس مکان میں تو موجود نہیں — یعنی بوڑھے کے روپ میں — بس میں یہی دیکھنے چلا آیا تھا — دیکھا تم نے میرا اندازہ کس قدر درست نکلا ، اب تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ ہمارے قتل کے سلسلے میں مینجر کا پتا تم نے کس شخص کو دیا تھا اور وُہ تمہارے پاس پہنچ کس طرح گیا ۔"

" اس بات پر تو خُود مجھے بھی حیرت ہے کہ وُہ میرے پاس کس طرح پہنچ گیا تھا ۔"

" کیا مطلب — یہ کیا بات ہوئی — بھلا تمہیں کیوں معلوم نہیں ۔"

" وُہ کوئی غیر مُلکی آدمی تھا — میں نے اپنی زندگی میں اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا — اس نے آ کر بس یہی پوچھا تھا کہ شہر میں ایسا کون آدمی موجود ہے جو کچھ لوگوں کو ٹھکانے لگا سکے — میں نے اپنے اطمینان کے لیے اس سے سوالات کیے اور پھر اسی نتیجے پر پہنچا کہ اسے ضرور میرے کسی واقف نے بھیجا ہے ؛ چنانچہ میں نے اپنا معاوضہ لے کر مینجر کا پتا بتا دیا اور اس نے مینجر سے معاملہ طے کر لیا ہو گا — مجھے نہیں معلوم تھا — وُہ آپ کو ختم کرانا چاہتا ہے ۔" یہاں تک کہہ کر جیراج خاموش ہو گیا ۔

" تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے معلوم ہوتا تو اسے مینجر کا پتا نہ بتاتے — حالانکہ میرا خیال ہے ، تم اور بھی خوش ہو کر اسے پتا بتا دیتے — اب صرف یہ بتاؤ کہ اس غیر مُلکی کا حُلیہ کیا تھا ۔"

"حلیہ — وہ سرخ و سفید رنگ کا لمبے قد کا آدمی تھا — ناک پکوڑے جیسی ، آنکھیں بالکل نیلی — جسم پتلا دبلا ، لیکن مضبوط تھا۔"

"اس نے اپنا کوئی نام تو بتایا ہوگا۔"

"نہیں — کوئی نام نہیں بتایا تھا — نہ میں نام پوچھا کرتا ہوں۔"

"پھر — اب کیا خیال ہے — میرے ساتھ حوالات چل رہے ہو یا دنگا فساد کرنے کا ارادہ ہے۔"

"کیا آپ مجھے چھوڑ نہیں سکتے۔"

"تمھیں چھوڑ دوں — لیکن کیوں — کیا تم نیک کام کرتے رہے ہو۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"میں — میں آپ کو ایک لاکھ روپے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"بہت خوب — تو اب انسپکٹر جمشید کو بھی رشوت پیش کی جائے گی — شاید تم میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ، ورنہ یہ بات کبھی نہ کہتے — تم ایک کروڑ روپے بھی رشوت دو تو بھی میں تمھیں حوالات پہنچا کر دم لوں گا — اب اٹھو اور میرے آگے چلتے ہوئے باہر نکلو۔"

"کک — کیا آپ — واقعی۔"

"چلو بھئی — تمھیں سزا دینے یا معاف کرنے کا اختیار صرف عدالت کو ہے۔"



وہ اسے لیے باہر نکل آئے اور حوالات پہنچا کر پھر ہوٹل پہنچے، مینجر بت بنا بیٹھا تھا — انھیں آتے دیکھ کر محمود بے چین ہو کر بولا:

"آپ کہاں گئے تھے ابا جان؟"

"جیراج کو گرفتار کرنے۔" انھوں نے کہا۔

"جی — کیا مطلب؟" اکرام اچھل پڑا۔

اور انھوں نے تفصیل سنا دی — مینجر بھی دھک سے رہ گیا، پھر اسے بھی حوالات میں بھیج دیا گیا اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں سادہ لباس والے اِدھر اُدھر روانہ کر دیے گئے —

"خان رحمان — میں تمھارا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مم — میرا گھر ، لیکن میرا گھر تو تم نے ہزاروں بار دیکھا ہوا ہے۔"

"ہاں ، لیکن ایک بار اور دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے — آؤ چلیں۔"

"آپ سمجھے نہیں انکل — ابا جان موجودہ واردات کے سلسلے میں آپ کے گھر کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"اوہ ، تو یہ بات ہے — ضرور ضرور — کیوں نہیں۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا ، پھر چونک کر بولے :

"کک — کیا تم مجھ پر شک کر رہے ہو جمشید؟"

"توبہ — بھلا تم پر شک کس سلسلے میں — میرا دماغ چل گیا

ہے کہ تم پر شک کروں۔"

"خیر — پولیس انسپکٹر ہونے کی حیثیت سے شک تو تم کر سکتے ہو۔" خان رحمان مسکرائے۔

"میں اس بات پر حیران ہوں خان رحمان — کہ مجرموں کو یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی کہ تم ہم سب کو لے کر سنہری جھیل جانے کا پروگرام بنا چکے ہو — اور وہ بھی ویران کنارے کی طرف —"

"ہاں! یہ بات واقعی بہت عجیب ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

"ویسے ان دنوں کسی قسم کی مرمت کے لیے تو کوئی تمہارے ہاں نہیں آیا تھا۔"

"نہیں — کسی قسم کی مرمت نہیں کرائی گئی — ہاں کارپوریشن کے دو آدمی جراثیم کش دوا چھڑکنے ضرور آئے تھے۔"

"اور کیا انھیں تم نے خود بلایا تھا۔"

"نہیں — وہ خود ہی آئے تھے — کہہ رہے تھے کہ انھیں محکمے کی طرف سے حکم ملا ہے — تمام گھروں میں دوا چھڑکیں۔"

"ہوں — تب تو ضرور وہی کوئی گڑبڑ کر گئے ہیں۔"

"گڑبڑ — کیسی گڑبڑ —" انھوں نے بوکھلا کر کہا۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

آخر وہ خان رحمان کی کوٹھی میں داخل ہوئے اور ایک



ایک چیز کا جائزہ لیا گیا — خان رحمان کے کمرے میں میز کے نچلے حصے میں انھیں ایک سیاہ رنگ کا بٹن سا لگا ہوا نظر آیا:

"بس یہی ہے وہ — جس کے ذریعے یہاں کی آوازیں باہر کچھ فاصلے پر سُنی جاتی رہی ہیں — وہ کارپوریشن والے یہی بٹن لگانے آئے تھے — اور اس قسم کے بٹن پروفیسر صاحب اور ہمارے گھر میں بھی لگے ہوں گے۔"

"اوہ!" ان کے مُنہ سے نکلا۔

وہاں سے وہ اپنے گھر پہنچے —

"کیوں بیگم — چند دن پہلے کارپوریشن کے دو آدمی دوا چھڑکنے تو نہیں آئے تھے؟"

"ہاں بالکل — ضرور آئے تھے — کیوں کیا بات ہے۔" وہ حیران ہو کر بولیں۔

"ایسے دو آدمی تو میرے ہاں بھی آئے تھے۔" پروفیسر داؤد بول اُٹھے —

"دیکھا — میں نے کہا تھا نا — یہاں جو بٹن نظر آئے، اسے چھونا مت، شاید اس پر اُنگلیوں کے نشانات ہوں۔"

"کیا معاملہ ہے جمشید؟"

اور وہ انھیں معاملہ بتانے لگے۔ پانچ منٹ بعد انھوں نے بٹن تلاش کر لیا۔ یہ محمود، فاروق اور فرزانہ کے کمرے میں موجود

تھا، پھر یہ لوگ پروفیسر صاحب کے ہاں گئے اور وہاں بھی بٹن
تلاش کر لیا گیا — ان پر سے انگلیوں کے نشانات بھی اُٹھوا لیے
گئے —

" سب حالات سب لوگوں کے سامنے ہیں، اب سوال یہ ہے
کہ ہم کیا کریں" انسپکٹر جمشید بولے۔ اب سب لوگ پروفیسر داؤد
کی تجربہ گاہ میں موجود تھے۔

" آپ کا اشارہ اس غیر ملکی کی طرف ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

" ہاں — بالکل"

" ہوائی سروس سے دارالحکومت میں آنے والے غیر ملکیوں کی
فہرست طلب کرلیں — ان سب کی جو ایک ہفتے کے اندر اندر
ہمارے ملک کے اندر آئے ہیں — اور ان کی چیکنگ شروع کر دیں"
فرزانہ نے کہا۔

" بھئی بہت خوب! نہایت مناسب ترکیب ہے" انسپکٹر جمشید
خوش ہو کر بولے۔

" وہ تو خیر ہونا ہی تھی — بتانے والی جو فرزانہ ہے" فاروق
نے منہ بنایا۔

" لیکن ابا جان — ان کی تعداد تو بہت زیادہ بھی ہو سکتی ہے"

" تو کیا ہوا — ہم یہ کام خود بھی کریں گے اور اکرام اور اس
کے ماتحتوں سے بھی کرائیں گے — اس کے سوا کوئی اور ترکیب ہے



بھی تو نہیں — اور ادھر ہوٹل شام لال کے مینجر کی گرفتاری کی خبر
اخبارات میں شائع نہیں ہونے دیں گے — تاکہ وہ غیر ملکی اپنی جگہ
آرام سے بیٹھا رہے"

" ایک اندازہ تو میں بھی لگا سکتا ہوں — اور وہ یہ کہ وہ غیر
ملکی ضرور کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے" فاروق بولا۔

" یہ اندازہ تو ایک احمق بھی لگا سکتا ہے" فرزانہ نے طنزیہ
لہجے میں کہا۔

" تو لگا لونا — تمہیں کس نے روکا ہے" فاروق بولا، پروفیسر
داؤد اور خان رحمان ہنس پڑے —

انسپکٹر جمشید فون پر جھک گئے اور ہوائی سروس کے دفتر سے
بات کرنے لگے — ایک گھنٹے بعد اکرام بھی وہاں موجود تھا اور ایک
فہرست ان کے سامنے رکھی تھی — اس فہرست میں پندرہ آدمیوں
کے نام تھے:

" گویا ہمیں ان پندرہ آدمیوں کو چیک کرنا ہوگا — تب تو یہ
کام زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا" محمود نے کہا۔

" ہاں! زیادہ مشکل تو اس وقت ثابت ہوتا جب پندرہ سو
آدمیوں کی فہرست ملتی" فاروق بولا۔

" اور ان پندرہ آدمیوں میں سے بھی ہم کچھ نام خارج کر سکتے
ہیں — مثلاً جو لوگ یہاں پہلے سے رہ رہے ہیں، وہ کسی ضرورت

سے دوسرے ملکوں کو گئے تھے۔ شاید وہ غیر ملکی ان میں سے نہ ہو۔
ہاں جو پہلی بار آئے ہیں۔ وہ ان میں سے ضرور ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر
جمشید جلدی جلدی بولے۔

"لیکن ابا جان! یہاں سوال یہ ہے کہ اس شخص کو جیراج
کے بارے میں کس سے معلوم ہوا ہو گا۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا
ہے کہ وہ پہلے سے ہی یہاں رہ رہا ہے اور جرائم پیشہ لوگوں کے
حالات اسے معلوم ہیں۔"

"ہوں! یہ بھی ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم اس فہرست
میں سے کسی کو بھی خارج نہیں کر سکتے۔ پندرہ کے پندرہ آدمیوں
کو چیک کرنا ہو گا۔"

"چلیے خیر۔ کوئی بات نہیں۔ پندرہ آدمی اتنے زیادہ نہیں
ہوتے۔"

"اکرام۔ ان میں سے پانچ آدمی تم اور تمہارے ماتحتوں کے
ذمے۔ پانچ میرے اور خان رحمان کے ذمے اور بقیہ پانچ کو محمود،
فاروق اور فرزانہ چیک کریں گے۔ اس طرح کام جلد نبٹ جائے
گا۔ تینوں پارٹیوں میں سے اگر کوئی پارٹی کامیاب نہ ہو سکی تو
پھر مجھے دوبارہ ایک ایک آدمی کو چیک کرنا ہو گا۔"

"تو پھر بسم اللہ کیجیے۔"

پہلے پانچ نام اور پتے اکرام کے حوالے کیے گئے، دوسرے



پانچ ان تینوں کے اور آخری پانچ انھوں نے اپنے پاس رکھے۔
اور تینوں پارٹیاں اس مہم پر روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اس مہم کا کوئی نام بھی رکھ دینا چاہیے۔" ایسے میں فاروق
نے کہا۔

"تم ہی تجویز کر دو۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"تلاش مشن۔" اس نے فوراً کہا۔

"اف۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" محمود نے بوکھلا
کر کہا اور فاروق اسے تیز نظروں سے دیکھنے لگا، پھر تلملا کر بولا:

"کیا تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش میں ہو۔"

"کوشش میں نہیں ہے۔ اڑا چکا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"خیر خیر۔ میں تم دونوں کو دیکھ لوں گا۔ اور ہاں۔ یہ واقعی
کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" اس نے جل کر کہا۔

"اب یہیں کھڑے جلتے بھنتے رہو گے یا چلو گے بھی۔"

"اوہو۔ میں اپنے چاقو کو تو بھول ہی گیا۔ کیوں نہ ہم
پہلے جنگل تک ہو آئیں۔ چاقو وہیں کہیں پڑا ہو گا۔"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ فاروق سے پوچھ لو۔" فرزانہ
بولی۔

"میں بے چارہ کون ہوتا ہوں، اعتراض کرنے والا۔" اس
نے منہ بنایا۔

تینوں اپنے والد کی کار میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے — انسپکٹر جمشید خان رحمان کی کار میں مشن پر روانہ ہوئے اور اکرام اور اس کے ماتحت جیپ میں —

چاقو انھیں جلد ہی مل گیا — اب انھوں نے پہلے غیر ملکی کے نام اور پتے پر نظر ڈالی — وہ ہوٹل مون لائٹ میں ٹھہرا ہوا تھا — جلد ہی وہ ہوٹل مون لائٹ میں داخل ہو رہے تھے۔

"ہمیں کمرہ نمبر ۳۰۱ کے مسافر مسٹر ہنری ٹام سے ملنا ہے۔" محمود نے نرم آواز میں کاؤنٹر کلرک سے کہا۔

"سیدھے چلے جائیے، لفٹ آپ کو آخری منزل پر لے جائے گی — کمرہ نمبر ۳۰۱ آخری منزل پر ہے۔" اس نے بتایا۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔" اس نے کہا اور تینوں آگے بڑھے —

"خدا کرے — پہلا ہی آدمی مجرم ہو۔" فاروق نے دعا مانگی۔

"ہمیشہ آسان کام پسند کرتے ہو — بھئی اگر ہمیں ان پانچوں کو چیک کرنا پڑ گیا تو کوئی قیامت آ جائے گی۔" محمود نے بھنّا کر کہا۔

"وہ تو خیر ہم کسی کو بھی چیک نہ کریں، تو بھی آئے گی —" فاروق بولا۔

"اور ہاں — بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے — جو شخص ہماری موت کا خواہش مند ہے — وہ ہمیں اچھی طرح پہچانتا ہو گا۔" فرزانہ



نے گویا خبردار کیا۔

"اللہ مالک ہے۔" فاروق بولا۔

تینوں لفٹ میں سوار ہو کر آخری منزل پر پہنچے — لفٹ کے ساتھ ہی کمرہ نمبر ۳۰۱ تھا۔ محمود نے دستک دی — دروازہ فوراً ہی کھلا اور ایک غیر ملکی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا:

"یس — میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

انھوں نے دیکھا — وہ ایک چھوٹے سے قد کا آدمی تھا اور اس حلیے پر ہرگز پورا نہیں اترتا تھا جو انھیں بتایا گیا تھا —

"اوہ سوری — ہم غلط دروازے پر دستک دے بیٹھے۔" محمود گڑبڑا کر بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا اور دروازہ بند کر لیا۔

"لو بھئی — پہلا وار تو گیا ناکام — اب آؤ دوسرے غیر ملکی کے ہوٹل چلیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

ایک ایک کر کے انھوں نے چار غیر ملکی دیکھ ڈالے، اب صرف ایک رہ گیا تھا:

"شاید ہم نے غلط راستہ چنا ہے — ہمارا مجرم اس طرح ہمیں نہیں ملے گا۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر کس طرح ملے گا، ترکیب تو تمھاری ہی بتائی ہوئی تھی۔" فاروق نے بھنّا کر کہا۔

" ہاں ، لیکن میری ترکیب غلط بھی ہو سکتی ہے۔"

" ابھی ایک غیر مُلکی رہتا ہے ، پہلے اسے چیک کر لو ، پھر باتیں کر لینا۔" محمود جل کر بولا۔

" آج تو تم جلنے بھننے میں فرزانہ کو بھی دو ہاتھ پیچھے چھوڑ رہے ہو۔" فارُوق حیران ہو کر بولا۔

" دھت تیرے کی - کام کم اور باتیں زیادہ ۔" محمود نے جھلّا کر ران پر ہاتھ مارا۔

آخر پانچویں غیر مُلکی کے ہوٹل میں داخل ہوئے - اس کا کمرہ نمبر اکسٹھ بتایا گیا - نہ جانے اکرام کے ماتحتوں نے ان غیر مُلکیوں کے ہوٹلوں اور کمروں کے نمبر کس طرح معلوم کر لیے تھے - محمود نے کمرہ نمبر اکسٹھ کے دروازے پر دستک دی - ایک منٹ بعد دروازہ کُھلا اور ان کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں پھیل گئیں -

ان کے سامنے جو غیر مُلکی کھڑا تھا - وُہ سرخ و سفید رنگ کا تھا ، اس کی آنکھیں نیلی تھیں - لمبا قد اور پتلا دبلا جسم تھا - اور سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کی ناک پکوڑا سی تھی ــــ



# کمرہ نمبر اکسٹھ

" آپ مسٹر گوگائی ہیں۔"

" ہاں ، کیوں - کیا بات ہے۔"

" آپ سے کچھ کام ہے ، کیا آپ ہمیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گے۔" محمود بولا۔

" کیوں نہیں - آئیے ۔" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

تینوں اندر آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے - گوگائی بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا ، اس کی آنکھوں میں الجھن صاف نظر آ رہی تھی۔

" ایک ہفتہ پہلے آپ ہمارے مُلک میں آئے تھے اور اس ہوٹل میں آ کر ٹھہرے تھے ، اس وقت سے آپ یہاں ہی ہیں ، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ ہمارے مُلک میں کس سلسلے میں آئے ہیں ـــ"

" لیکن آپ کیوں پُوچھ رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی - وُہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

" مجبوری ہے ـ ہمیں پوچھنا ہی پڑتا ہے "۔

" کیا مطلب ؟ " اس نے چونک کر کہا ۔

" اگر کوئی غیر ملکی یہاں کسی خطرناک ارادے سے آئے ، لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون سا غیر ملکی ہے تو پھر ہمیں معلومات حاصل کرنا پڑتی ہیں ـ اب تو آپ میرے سوال کا جواب دیں گے نا "۔

" ضرور کیوں نہیں " وہ مسکرایا ۔

" تو پھر بتائیے ـ آپ ہمارے ملک میں کس کام سے آئے ہیں ؟ "

" آپ کے ملک کی سیر کرنے ـ مجھے ملکوں کی سیر کرنے کا شوق جنوں کی حد تک ہے ـ دولت میرے پاس بے تحاشہ ہے ، لہذا میں سال میں چھ مہینے دوسرے ملکوں کی سیر کرتا رہتا ہوں اور چھ ماہ اپنے کاروبار کی طرف توجہ دیتا ہوں ، امید ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا "۔

" جی نہیں ، بھلا اس میں اعتراض کی کیا بات ـ اعتراض تو ہمیں صرف اس پر ہے کہ کوئی غیر ملکی ہمارے ملک میں نیک ارادے کی بجائے خطرناک ارادے سے آ جائے ـ اور ہماری اطلاعات یہی ہیں کہ کم از کم ایک غیر ملکی ایسا ضرور ہے ـ جو غلط ارادہ لے کر آیا ہے "۔



" تب تو آپ کو چاہیے ، اسے فوراً گرفتار کرلیں " وہ بولا ۔

" جی ہاں ! کوشش تو یہی ہے ـ اسی لیے تو ملاقات کرتے پھر رہے ہیں اور اب آپ کے سامنے بیٹھے ہیں " فاروق شوخ آواز میں بولا ـــ

" کک ـ کیا مطلب ؟ " وہ چونکا ۔

" میرا مطلب ہے ـ ہم باری باری ملک میں آنے والے تمام غیر ملکیوں سے ملاقات کر رہے ہیں "۔

" کیا آپ کا تعلق سی آئی ڈی سے ہے ؟ "

" جی بس ـ کچھ ایسی ہی بات سمجھ لیں "۔

" میں سمجھ لوں ، لیکن مجھے کیا ضرورت ہے سمجھنے کی " اس نے گھبرا کر کہا ۔

" خیر خیر ـ آپ شوق سے نہ سمجھیے ـ اور اب ہم چلیں گے "۔

" تو آپ کے خیال میں میں وہ آدمی نہیں ہوں " اس نے کہا ـــ

" ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ـ جب تک سروے مکمل نہ ہو جائے "۔

" شکریہ ! " وہ بولا ۔

تینوں اس سے رخصت ہو کر باہر نکل آئے ـ لفٹ میں سوار ہوئے اور ہال سے گزرنے لگے ؛

"کیوں بھئی۔ کیا خیال ہے۔" محمود بولا۔

"حلیے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں، لیکن وہ ہمیں دیکھ کر چونکا ذرا بھی نہیں۔ جب کہ میرے خیال میں ہم پر نظر پڑتے ہی اسے اُچھل پڑنا چاہیے تھا۔"

"ہو سکتا ہے، اسے اپنے اوپر بہت زیادہ قابو ہو۔"

"ہاں! بہرحال اتنا ضرور ہے کہ اس حلیے کا ہمیں ایک آدمی مل گیا ہے۔"

ہال سے نکلنے سے پہلے فرزانہ نے ایک نظر پورے ہال پر ڈالی اور پھر چونک اُٹھی:

"ایک عجیب بات۔"

"اور وہ کیا۔" محمود رُکتے ہوئے بولا۔

"بھئی رکو نہیں۔ یا پھر ہال کی کسی میز پر بیٹھ جاؤ۔ اس طرح جیسے اچانک پروگرام بنا ہو۔"

"بات کیا ہے؟"

"اب تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ جس سے مل کر ہم آ رہے ہیں۔ وہی ہمارا شکار ہے۔ اور وہی ہماری موت کا خواہش مند ہے۔"

"لیکن تم نے بات اب تک نہیں بتائی۔" فاروق نے بھنّا



کر کہا۔

"پہلے کسی میز پر بیٹھ جاؤ۔"

ان کے نزدیک ہی ایک میز خالی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔

"ہاں! اب بتاؤ۔"

"میں بتانے لگی ہوں۔ لیکن تم یک دم اِدھر اُدھر نہ دیکھنا شروع کر دینا، اس طرح اسے شک ہو جائے گا۔"

"کسے شک ہو جائے گا۔"

"ہوٹل کے ہال میں ایک شخص موجود ہے۔ وہ ہمیں تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ اتفاق سے میں نے اسے گھورتے ہوئے دیکھ لیا، جونہی میں نے دیکھا، اس نے نظریں فوراً دوسری طرف کر لیں۔ آخر کیوں؟" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"اور وہ کون ہے۔ کس طرف بیٹھا ہے۔" محمود بے چین ہو گیا۔

"میں ایک بار پھر خبردار کر رہی ہوں۔ فوراً ادھر نہ دیکھنے لگ جانا۔ بہت احتیاط سے سرسری انداز میں پورے ہال پر نظر دوڑاتے ہوئے اسے بھی دیکھ لینا۔" فرزانہ بولی۔

"اب ہمیں طریقے نہ پڑھاؤ۔ اور یہ بتاؤ۔ وہ کون ہے۔ کس طرف بیٹھا ہے۔"

"دائیں طرف۔ یہاں سے تیسری میز پر بالکل اکیلا۔ سیاہ فام آدمی۔ اب وہ ہماری طرف بہت ہی احتیاط سے دیکھ

لیتا ہے ، یہ بات بھی میں نے نوٹ کی ہے۔"

محمود اور فاروق نے پوری احتیاط سے کام لیتے ہوئے سرسری انداز میں پورے ہال پر نظریں دوڑائیں اور اس دوران انھوں نے اس سیاہ فام کو بھی دیکھ لیا ، لیکن اب وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا تمھیں یقین ہے فرزانہ — یہ شخص ہمیں گھور رہا تھا۔"

"ہاں ! اس میں ذرا بھی شک نہیں۔"

"ہوں ! تب تو ہم یہاں سے نہیں جائیں گے — جب تک یہ نہ اُٹھے — ہم اس کا ٹھکانہ معلوم کر کے رہیں گے۔" محمود بولا۔

"اسی لیے تو میں نے یہاں بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔" فرزانہ نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"تو اس میں اس قدر جوش میں بھرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم مت بھرو جوش میں — تم سے کس نے کہا ہے۔" فرزانہ جل بھن کر بولی۔

"اس کا گھورنا بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔" محمود بڑبڑایا۔

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ بیٹھا ہوا بھی اسی ہوٹل میں ہے جس میں غیر ملکی بھی موجود ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں ! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم بہت تیزی سے کامیابی



کی طرف بڑھ رہے ہیں۔"

"وہ اُٹھ رہا ہے — اس سے پہلے کہ بیرا ہمارے پاس آ کر پوچھے کہ کیا لاؤں — ہمیں بھی نکل جانا چاہیے۔" فاروق نے مشورہ دیا۔

"اور اگر یہ ہمارے نکلنے کے فوراً بعد باہر نہ آیا تو —"

"بھئی وہ تو اُٹھ بھی چکا ہے — باہر نہیں جائے گا تو کہاں جائے گا۔" فاروق تلملا کر بولا۔

"ہوں ، بات تو ٹھیک ہے — تو پھر —"

محمود کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہے تھے کہ سیاہ فام آدمی نہ تو کاؤنٹر کی طرف گیا تھا اور نہ بیرونی دروازے کی طرف — بلکہ وہ سیدھا لفٹ کی طرف جا رہا تھا —

"لو فاروق کے اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے — یہ ضرور اس غیر ملکی سے ملنے جا رہا ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"خیر ، ابھی یہ تو نہیں کہا جا سکتا۔" اس نے بھی جل کر کہا۔

"تو پھر آؤ — دیکھ لیتے ہیں ، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔" محمود بولا۔

تینوں اُٹھے ہی تھے کہ بیرا سر پر آ کھڑا ہوا ، وہ انھیں عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا :

"ہمیں ذرا اُوپر جانا ہے۔"

"بہت بہتر !" اس نے کہا اور بُرا سا منہ بناتا ہوا پیچھے ہٹ

گیا —

وہ لفٹ کی طرف چلے ۔ اس وقت تک سیاہ فام آدمی لفٹ میں سوار ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا ۔ انھیں انتظار کرنا پڑا — یہاں تک کہ لفٹ نیچے آ گئی ، اب وہ لفٹ میں سوار ہوئے اور اوپر والی منزل پر پہنچے — کمرہ نمبر اکسٹھ کے دروازے پر رُک کر پہلے تو انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر برآمدے میں کسی کو نہ پا کر محمود نے تالے کے سُوراخ پر نظریں جما دیں — دوسرے ہی لمحے وہ پیچھے ہٹ آیا ۔ اب فاروق اور فرزانہ نے بھی اندر دیکھا اور سیدھے ہو گئے ۔

سیاہ فام اندر موجود تھا اور غیر مُلکی کے سامنے کھڑا دبی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا —

○

محمود نے اشاروں میں انھیں کہا :

" اب یہاں رکنا مناسب نہیں — آؤ جلدی کرو ۔"

تینوں نیچے اُتر آئے — اور پھر اسی میز پر آ بیٹھے ، فوراً ہی بیرا آ دھمکا :

" ہاں بھئی — آپ بھی کچھ لے ہی آئیں ۔" محمود بولا ۔



" کچھ کیا سر !"

" بھئی تین کوکا کولا لے آئیں اور کیا ۔" اس نے کہا اور بیرا چلا گیا —

ابھی بیرا کوکا کولا نہیں لایا تھا کہ سیاہ فام لفٹ سے اُترتا نظر آیا ، اب وہ بیرونی دروازے کی طرف تیزی سے قدم اُٹھا رہا تھا —

" اب کیا کریں ، بیرے صاحب تو بوتلیں لینے کے لیے جا چکے ہیں ۔"

" مجبوری ہے ، ہم کس طرح رُک سکتے ہیں ، ہمیں کیا معلوم تھا ، یہ اس قدر جلد آ جائے گا ۔"

" تو پھر آؤ ۔" یہ کہتے ہوئے محمود نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اُٹھ کھڑا ہوا —

سیاہ فام اس وقت دروازے سے نکل چکا تھا — انھوں نے تیز تیز قدم اُٹھائے ہی تھے کہ بیرے کی آواز کانوں سے ٹکرائی :

" ارے جناب — کہاں چل دیے — بوتلیں حاضر ہیں ۔"

" سوری ! اب ہمارے پاس ان کے پینے کا وقت نہیں رہا ۔" محمود بولا ۔

" لیکن بوتلیں کھُل چکی ہیں ۔"

"ہاں ! ہم جانتے ہیں — کہ آپ بوتلیں کھول کر لاتے ہیں۔ لہذا بل میز پر چھوڑ آئے ہیں۔"

"اوہ!" بیرا اور کچھ نہ کہہ سکا۔

وہ باہر نکلے تو سیاہ فام ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا — انھوں نے فوراً کار کا رُخ کیا — اس سے پہلے کہ ٹیکسی روانہ ہوتی، وہ کار میں بیٹھ چکے تھے —

"بھئی وہ ہمیں جانتا ہے — اس لیے بہت محتاط رہ کر تعاقب کرنے کی ضرورت ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو۔" محمود بولا۔

تعاقب جاری رہا — یہاں تک کہ ٹیکسی ایک اور ہوٹل کے سامنے رُکی — انھوں نے سیاہ فام کو ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا۔

"اب کیا کریں؟" محمود نے کار روکتے ہوئے کہا۔

"کم از کم ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا نام کیا ہے — کون سے کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے اور پھر انکل اکرام کے ذریعے ایک سادہ لباس والا مقرر کرا دینا چاہیے — جو اس پر نظر رکھے۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — آؤ۔"

وہ کار سے اُتر کر ہوٹل میں داخل ہوئے اور کاؤنٹر کی طرف بڑھے —

"یہاں ایک صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں — سیاہ فام ہیں — کیا آپ



ان کے کمرے کا نمبر بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں — وہ ہمارے بہت اچھے گاہک ہیں — جب بھی اپنے مُلک سے ہمارے مُلک میں آتے ہیں، ہمارے ہاں ہی ٹھہرتے ہیں —"

"شکریہ جناب — آپ نے کمرے کا نمبر نہیں بتایا۔"

"آپ کو ان سے کیا کام ہے؟"

"آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"ان کی ہدایت یہ ہے کہ اگر کوئی ان کے بارے میں کچھ پُوچھے تو پہلے ان سے اجازت لے لی جائے، پھر ان کے بارے میں بتایا جائے۔" اس نے بتایا۔

"ہوں — خیر کوئی بات نہیں — ہم ہوٹل سے باہر ان سے مل لیں گے۔" محمود نے بُرا مان کر کہا۔

"جی — کیا مطلب — آپ مُلاقات کی وجہ نہیں بتانا چاہتے۔"

"جی نہیں۔"

"تو پھر اپنے نام بتا دیں۔"

"ہم نام بھی نہیں بتا سکتے۔"

"تب میں ان کے کمرے کا نمبر نہیں بتا سکتا اور نہ ان کا نام بتا سکتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ — آؤ بھئی چلیں۔"

تینوں باہر نکل آئے۔ محمود نے فوراً ایک پبلک فون بوتھ سے اکرام کو فون کیا:

"ہیلو انکل۔ ہوٹل جانباز میں ایک سیاہ فام ٹھہرا ہوا ہے، یہاں فوری طور پر دو آدمی مقرر کر دیں۔ اس کی نگرانی ہر صورت اور ہر وقت جاری رہنی چاہیے۔ ایک سادہ لباس والا صدر دروازے پر اور ایک پچھلے دروازے پر۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی دو آدمی بھیج رہا ہوں۔"

"جب تک آپ کے آدمی نہ آئیں گے۔ ہم یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہی مناسب ہے۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"میں پچھلے دروازے پر جا رہا ہوں۔ کہیں کاؤنٹر کلرک اسے اطلاع نہ دے دے اور وہ اس طرف سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم یہاں موجود رہیں گے اور انشاءاللہ اسے فرار نہیں ہونے دیں گے۔" فاروق بولا۔

"لیکن ہم اسے کہیں جانے سے روکیں گے بھی نہیں۔ سمجھے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"تو اس میں گھورنے کی کیا بات ہے۔"



"وقت نہ ضائع کرو۔" فرزانہ بھنّا اُٹھی اور محمود تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوٹل کے پچھلے دروازے کی طرف چلا گیا اور پھر زور سے چونکا، سیاہ فام دروازے سے نکل رہا تھا اور سڑک کے دوسری طرف کھڑی ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ محمود گھبرا گیا، کیونکہ آس پاس کوئی ٹیکسی موجود نہیں تھی۔ اس نے جلدی جلدی اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر صدر دروازے کی طرف بھاگا۔ فاروق اور فرزانہ نے جو اسے بھاگتے دیکھا تو حیران رہ گئے، لیکن اس سے پہلے کہ کچھ سمجھ سکتے۔ محمود کار میں بیٹھ چکا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ وُہ انھیں بھی بٹھا سکتا۔ انھوں نے اس کی طرف دوڑ بھی لگائی، لیکن وُہ نکلا چلا گیا:

"شاید سیاہ فام پچھلے دروازے سے فرار ہو رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! ضرور یہی بات ہے، ورنہ محمود اس طرح بدحواس ہو کر نہ جاتا۔"

"گویا انکل اکرام کے ماتحتوں کا یہاں پہنچنا بے فائدہ گیا۔"

"ہاں، لیکن ہم دونوں کیا کریں۔ یہیں ٹھہر کر محمود کا انتظار کریں یا۔" فاروق جلدی جلدی کہہ رہا تھا کہ فرزانہ بول اُٹھی:

"یہاں ٹھہر کر انتظار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں چاہیے کوئی ٹیکسی پکڑ کر محمود کے پیچھے چل پڑیں۔ کیا خبر اسے ہماری

مدد کی ضرورت پڑ جائے۔"

"ہوں ، مشورہ معقول ہے ۔ تو پھر آؤ چلیں۔"

انھوں نے ایک گزرتی ٹیکسی روکی اور اس سمت میں روانہ ہو گئے جس طرف محمود کار لے گیا تھا ۔ ایک جگہ انھیں محمود کی کار نظر آئی ۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑی تھی ۔ انھوں نے ٹیکسی اس کے برابر رکوا لی ۔ فرزانہ نے سر باہر نکال کر کہا :

"کیوں ۔ کیا بات ہے۔"

"دیکھتی نہیں ۔۔ میں چوراہے پر کھڑا ہوں ۔ مجھے کیا معلوم وہ کس طرف گیا ہے۔"

"تب پھر تم سامنے والی سڑک پر جاؤ ۔ میں دائیں طرف جاتی ہوں ، فاروق ایک اور ٹیکسی پکڑ کر تیسری سڑک پر جائے گا ۔۔"

"لیکن ۔ ہم اس کی ٹیکسی کو کس طرح پہچانیں گے ۔ شہر میں تو سڑکوں پر سینکڑوں ٹیکسیاں دوڑ رہی ہیں ۔ یہ تو اسی وقت مفید تھا جب اس کی ٹیکسی ہماری نظروں میں رہتی۔"

"اوہ ! گویا ہم اسے کھو چکے ہیں۔"

"ہاں ! اس کے سوا ۔ ارے ۔ ہوٹل کے کلرک نے کہا تھا ۔ وہ جب بھی اپنے ملک سے آتا ہے ، ان کے ہوٹل میں ہی ٹھہرتا ہے ۔ گویا وہ بھی کسی دوسرے ملک سے آیا ہوا ہے ۔ ہے بھی سیاہ فام ۔ ہم اس کے فرار کے راستے تو بند کر ہی سکتے ہیں۔"

"ہوں ! بالکل ٹھیک۔"

محمود نے اب پھر پبلک فون بوتھ سے اکرام کو فون کیا ، اس کی آواز سنتے ہی اکرام بولا :

"بھئی گھبراؤ نہیں ۔ دونوں آدمی ہوٹل تک پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

"اب اس کا کوئی فائدہ نہیں انکل ۔ وہ ہوٹل سے نکل بھاگا اور ہم اسے کھو بیٹھے ہیں ۔ وہ ایک سیاہ فام غیر ملکی آدمی ہے ۔ اب اس کی کوشش یہ ہو گی کہ ملک سے فرار ہو جائے ۔ اس سلسلے میں آپ کیا کر سکتے ہیں۔"

"فکر نہ کرو ۔ میں اس کے راستے بند کرائے دیتا ہوں ۔ اور کچھ ۔"

"اس کا حلیہ نوٹ کر لیں۔"

"ہاں ، ٹھیک ہے ۔ لکھواؤ ۔"

"اس کا قد درمیانہ ہے ، جسم بھاری بھرکم ، آنکھوں میں تیز چمک ۔ بہت چالاک نظر آتا ہے ۔ رنگ بالکل سیاہ ، سر کے بال گھنگھریالے ۔ میرا خیال ہے ۔ اتنا ہی حلیہ کافی ہے۔"

"ہاں ! بہت ہے۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا

"اب ہم اپنا کام مکمل کر چکے ہیں ـ ارے ـ ان سادہ لباس والوں کے ذریعے ہم سرخ و سفید غیر ملکی کی نگرانی تو کرا ہی سکتے ہیں ـ یہ تو ہم بھول ہی گئے ـ آؤ جلدی کرو ـ انکل اکرام کے آدمی پہنچ چکے ہوں گے اور ہماری گم شدگی پر حیران ہو رہے ہوں گے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے، حیران ہونا صحت کے لیے بہت مفید ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

وہ واپس ہوٹل جانباز کے سامنے پہنچے ـ ایک سادہ لباس والا حیران پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا، جونہی اس کی نظر ان پر پڑی ـ وہ تیر کی طرح ان کی طرف آیا:

"آپ لوگ کہاں چلے گئے تھے؟"

"اس کے پیچھے جس کے لیے آپ لوگوں کو تکلیف دی تھی۔"

"کیا مطلب ـ کیا وہ فرار ہو گیا۔"

"جی ہاں، لیکن ایک دوسرے ہوٹل کے کمرہ نمبر اکسٹھ میں ایک اور غیر ملکی موجود ہے ـ آئیے ہم آپ کو وہاں لے چلیں، اب آپ اس کی نگرانی کریں گے۔"

"چلیے ـ ہمیں تو نگرانی کرنی ہے ـ جس کی بھی کرا لیں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اور وہ مسکرا دیے ـ سادہ لباس والے کے دوسرے ساتھی کو



بھی بلا لیا گیا ـ جلد ہی وہ اس ہوٹل تک پہنچ گئے اور پھر اکرام کے آدمیوں کو مقرر کر کے واپس ہوٹل شام لال پہنچے ـ دونوں پارٹیاں ان سے پہلے ہی واپس آ چکی تھیں ـ انسپکٹر جمشید جھنجلا کر بولے:

"اتنی دیر لگا دی ـ ہم کب سے انتظار کر رہے ہیں تمھارا۔"

"ہمیں بہت افسوس ہے ابا جان۔"

"خیر ـ تلاش کا کیا رہا؟"

"اپنے خیال کے مطابق ہم اس غیر ملکی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"اوہو اچھا ـ پھر تو وہ مارا ـ اور اب ہمیں تمھارے دیر لگانے کا کوئی افسوس نہیں رہا، جلدی بتاؤ ـ وہ کہاں ہے؟"

"ہوٹل بلیو سٹار ـ کے کمرہ نمبر اکسٹھ میں ـ اس کا ایک ساتھی بھی ہے ـ وہ ہوٹل کے ہال میں موجود تھا ـ ہمیں دیکھ کر وہ کمرہ نمبر اکسٹھ میں گیا اور پھر وہاں سے نکل گیا، ہم نے ایک اور ہوٹل تک اس کا پیچھا کیا ـ اس ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک نے ہمیں تو اس کے کمرے کا نمبر بتایا نہیں؛ البتہ اسے یہ بتا دیا کہ کوئی اس کی تلاش میں ہے ـ لہذا وہ بھاگ نکلا اور ہم نے اسے کھو دیا؛ تاہم ہم انکل اکرام کو خبردار کر چکے ہیں۔"

"چلو خیر ـ یہ بھی بہتر ہے ـ اصل غیر ملکی تو ابھی موجود ہے نا،

کیا اس کی نگرانی ہو رہی ہے؟"

"جی ہاں!"

"تب پھر ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔ آؤ چلیں۔"

اکرام کو بلایا گیا، پھر وہ کاروں میں بیٹھ کر پہلے جیراج تک پہنچے۔ انسپکٹر جمشید نے اسے ساتھ لیا اور ہوٹل بلیو سٹار پہنچے۔ کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہے بغیر وہ سیدھے لفٹ تک آئے اور اس میں سوار ہو کر اوپر پہنچے۔ انسپکٹر جمشید نے دستک دی۔ جونہی دروازہ کھلا، غیر ملکی کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ ادھر جیراج اچھل پڑا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیوں جیراج۔ وہ یہی تھا نا۔"

"ج۔ جی ہاں۔" وہ ہکلایا۔

"کیا مطلب۔" غیر ملکی نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں۔ مطلب بھی آپ کو بتا دیا جائے گا۔ چلو اکرام، اپنا کام کرو۔"

اکرام کے ماتحت ہتھکڑی لے کر اس کی طرف بڑھے تو وہ بھڑک کر پیچھے ہٹا:

"یہ۔ یہ کیا؟"

"انھیں ہتھکڑیاں کہتے ہیں، آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم۔"

"لیکن میں نے کیا کیا ہے؟"



"اس بوڑھے شخص کو ہمارے ساتھ دیکھ کر بھی تم یہ سوال کرو گے۔"

"اوہ۔ کک۔ کیا۔ کیا تم انسپکٹر جمشید ہو۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ نے ٹھیک سمجھا اور ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔" فاروق شوخ آواز میں بولا۔

ان تینوں پر نظر پڑتے ہی اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ سر جھک گیا۔ اکرام کے ماتحت نے ہتھکڑیاں اس کے ہاتھ میں ڈال دیں۔

# میں ابھی آیا

محکمہ سُراغرسانی کے دفتر میں غیر مُلکی ان کے سامنے بیٹھا تھا، اور سب لوگ کمرے میں موجود تھے :

"ہاں تو جناب — سب سے پہلے تو اپنا نام بتا دیں۔"

"مجھے ماسٹر راجر کہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو تم یہاں ہمارا کام تمام کرنے کے لیے آئے تھے، لیکن کیوں؟"

"یہ میرا پیشہ ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب!" وُہ چونکے۔

جواب میں ماسٹر راجر نے ایک اندرونی جیب میں سے وُہ تحریر نکال کر ان کے سامنے کر دی جو اسے مُوصول ہوئی تھی — انھوں نے تحریر کا ایک ایک لفظ پڑھا، پھر انسپکٹر جمشید بولے :

"گویا تمھیں اس مُلک سے ہی کسی نے بُلایا ہے۔"

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"اور وُہ سیاہ فام کون ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بغور اس کی طرف



دیکھا — ماسٹر راجر چونک اُٹھا :

"تو آپ کو اس کا بھی پتا ہے۔"

"ہاں، لیکن یہ نہیں معلوم کہ وُہ اس وقت کہاں ہے — تو وُہ تمھارا ساتھی ہے۔"

"ہاں! بہت اچھا ساتھی، ہر کام میں میرا ساتھی۔" اس نے بتایا۔

"لیکن جب اس قسم کے کام تم اپنے مُلک میں خُود کرتے ہو تو یہاں ہوٹل شام لال کے مینجر سے یہ کام کیوں لیا۔"

"ایک نئے مُلک میں نیا آدمی مار کھا جایا کرتا ہے، لیکن مُلک کا آدمی مار نہیں کھاتا، اسے راستوں کا پتا ہوتا ہے، ماحول کا پتا ہوتا ہے، اس لیے میں نے یہ کام خود نہیں کیا۔"

"لیکن تمھیں جیراج کے بارے میں کس نے بتایا تھا؟"

"ٹنگی نے — اسے یہاں کے کچھ حالات معلوم ہیں، یہاں اس کے ایک دو دوست رہتے ہیں۔"

"ٹنگی کون؟" انھوں نے پوچھا۔

"وہی میرا سیاہ فام ساتھی۔"

"ہوں، کیا وُہ پہلے بھی یہاں آتا رہتا ہے؟"

"نہیں! ہمیں تو وہاں ہی بہت کام ہوتا ہے — یہاں کس طرح آ سکتے ہیں۔"

" کیا مطلب؟" محمود اُچھل پڑا — اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

" کیوں کیا ہوا، اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

" ٹنگی والے ہوٹل کے کلرک نے کہا تھا — وہ جب بھی آتے ہیں، ہمارے ہی ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں اور یہ بھی کہ بہت اچھے گاہک ہیں — دوسرے یہ کہ اس نے ہمیں تو اس کے کمرے کا نمبر بتایا نہیں، اسے یہ بتا دیا کہ ہم اس کی تلاش میں ہیں اور اسی لیے وُہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔"

" ہوں! تب تو ہوٹل جانباز کی نگرانی ہونی چاہیے اور اس کے مینجر سے مُلاقات کرنی چاہیے — ان لوگوں کو ٹنگی کے بارے میں ضرور معلوم ہو گا — لو اکرام تم ذرا اس کا خیال رکھنا، ہم سیاہ فام کو لے کر آتے ہیں۔" انھوں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

" جی کیا فرمایا — لے کر آتے ہیں، تو کیا آپ کو یقین ہے — سیاہ فام وہیں ہو گا۔"

" ہاں بالکل — کاؤنٹر کلرک کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے۔"

دو سادہ لباس والوں کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے، کلرک انھیں دیکھ کر چونک اُٹھا —

" ہاں تو سیاہ فام کہاں ہے؟"

" جی — وُہ — وُہ تو جا چکے ہیں۔"



" اچھا تو پھر ہم تلاشی لیں گے اور اگر ہم نے سیاہ فام کو ہوٹل سے برآمد کر لیا تو پھر تم بھی اس کے ساتھ حوالات میں ہو گے۔"

" آپ — آپ ہوٹل کے مینجر سے بات کر لیں جناب — یہ ان کی ہدایت ہے کہ میں کسی مسافر کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔"

" مینجر کا کمرہ کون سا ہے؟" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

" وہ رہا — سامنے۔"

" محمود — تم یہیں ٹھہرو — اسے کوئی فون نہ کرنے دینا — آؤ فاروق، فرزانہ۔"

تینوں مینجر کے کمرے میں داخل ہوئے — اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ اندر سیاہ فام موجود تھا —

○

" بہت خوب! تو آپ یہاں ہیں — بھئی کمال ہے — یہاں سے تو آپ فرار ہو گئے تھے۔"

سیاہ فام اور مینجر ساکت بیٹھے رہ گئے —

" کیا آپ لوگوں کا بھی آپس میں کوئی گٹھ جوڑ ہے۔"

"نہیں جناب! یہ ہمارے گاہک ہیں اور بس۔" مینجر نے فوراً کہا۔

"کیوں مسٹر ٹنکی!" انسپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"خیر۔ میں آپ کو ماسٹر راجر کا ساتھی ہونے کی وجہ سے گرفتار کرتا ہوں، ہم انہیں بھی گرفتار کر چکے ہیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تم لوگ یہاں مجھے اور میرے بچوں کو ہلاک کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

سیاہ فام کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

"مسٹر مینجر۔ آخر ٹنکی آپ کا کس حد تک خاص گاہک ہے کہ آپ کا کلرک تک کسی کو ان کے بارے میں کچھ بتانے پر تیار نہیں ہوتا۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"ہم اپنے گاہکوں کی تمام خواہشیں پوری کرتے ہیں۔ یہ انہی کی خواہش تھی کہ ان کے بارے میں کوئی بھی پوچھے تو نہ بتایا جائے، کیوں مسٹر ٹنکی۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تم اپنے ہوٹل میں جرائم پیشہ لوگوں کو مسافر ٹھہراتے ہو اور ان سے کئی گنا زیادہ کرایہ وصول کرتے ہو، لہٰذا تم بھی جرم میں شریک ہو۔" ٹنکی بولا۔



"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر ٹنکی۔" مینجر بوکھلا اٹھا۔

"میں بالکل درست کہہ رہا ہوں، جب میں پھنس گیا تو دوسرے کیوں عیش کریں۔ انسپکٹر صاحب اس ہوٹل کی تلاشی لے لیں، اس وقت بھی پچاس کے قریب جرائم پیشہ لوگ یہاں موجود ہوں گے۔"

"ہوں! محمود۔ پولیس کو فون کرو۔ انہیں ہدایات دو کہ غیر محسوس طور پر ہوٹل کو گھیرے میں لے لیں۔"

"جی بہتر!"

سب کی گرفتاری کے بعد وہ ٹنکی کو لے کر محکمہ سراغرسانی کے دفتر پہنچے۔ سیاہ فام کو دیکھ کر غیر ملکی کا چہرہ اور بھی ڈھیلا پڑ گیا، اس نے بجھی بجھی مسکراہٹ سے کہا:

"تو تم بھی پھنس گئے ٹنکی۔"

"ہاں ماسٹر۔ افسوس!"

"لیکن ٹنکی۔ تم نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ یہاں کس سلسلے میں آیا کرتے تھے۔"

"اوہ! تو آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی ہے۔"

"ہاں! ان لوگوں کی مہربانی سے۔ تم نے بتایا نہیں۔ یہاں کس سلسلے میں آتے تھے اور اگر آتے تھے تو مجھ سے یہ بات کیوں چھپاتے تھے۔" ماسٹر راجر کے لہجے میں شدید الجھن تھی، بے چینی تھی۔

" چھوڑیے اس بات کو ، اب کیا فائدہ ۔"

" نہیں نہیں — مجھے یہ بات ضرور بتاؤ ۔"

اچانک انسپکٹر جمشید کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آئے — اچانک وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولے :

" میں ابھی آیا ۔"

وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے — انسپکٹر جمشید دفتر سے باہر جا چکے تھے — آدھ گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی تو چہرہ چمک رہا تھا، ہاتھ میں ایک بڑا سا رجسٹر تھا —

" معلوم ہوتا ہے — آپ کو کوئی بہت ہی خاص بات معلوم ہو گئی ہے ۔" فرزانہ بے چین ہو کر بولی ۔

" ہاں ! تمہارا خیال ٹھیک ہے ۔" وہ مسکرائے ، پھر کرسی پر بیٹھ گئے — اب ہر کوئی بے قراری کے عالم میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا ، آخر انھوں نے کہنا شروع کیا :

" اس وقت تک حالات یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے مُلک کا کوئی شخص میری اور میرے بچّوں کی موت کا خواہش مند ہے، اس نے یہ کام ماسٹر راجر سے لینا چاہا ، ماسٹر راجر اپنے مُلک میں اس قسم کے کام کرتا رہتا ہے ، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس شخص نے یہاں آ کر یہ کام خود کرنے کی بجائے کسی دوسرے سے لینا چاہا، اور جیراج کے ذریعے ہوٹل شام لال کے مینجر سے یہ کام لینے کا



پروگرام بنایا ، لیکن وہ ناکام رہا — اور ہم اس تک پہنچ گئے — جیراج کے بارے میں ماسٹر راجر کو ٹنکی نے بتایا تھا — اب سوال صرف اور صرف یہ ہے کہ ماسٹر راجر کو وہ تحریر کس نے لکھی تھی — یہ اس کیس کا آخری سوال ہے — اس سوال کا جواب معلوم ہوتے ہی کیس ختم ہو جائے گا ۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے —

" آخری سوال — یہ تو — یہ تو ۔" فاروق ہکلا کر رہ گیا ۔

" ہاں ہاں کہہ دو — یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے ۔" فرزانہ جل کر بولی —

" تو تم کیوں جلی جا رہی ہو ، اگر یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے ، تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے ۔" فاروق نے مُنہ بنایا ۔

" ابا جان کے سوال کا جواب دو ۔" محمود نے منہ بنایا ۔

" سوال کا جواب دیں ، انھوں نے ہم سے کب کوئی سوال کیا ہے — کیوں ابا جان — کیا آپ نے ہم سے کوئی سوال کیا ہے ۔" فاروق حیران ہو کر بولا ۔

" کیا تو نہیں ، لیکن اگر تم اس سوال کا جواب دے دو تو کیا ہی بات ہے ۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے ۔

" ہم جواب دے دیں ، لیکن کس طرح ابا جان ۔"

" جب میں نے حالات کا جائزہ لیا تو یہ بات مجھے بہت کھٹکی کہ

ٹنکی ہمارے مُلک میں پہلے بھی آتا رہا ہے، لیکن اپنے باس کو بتائے بغیر۔ غالباً یہ چھٹی کہیں اور جانے کے لیے لیتا ہو گا اور آتا ہو گا ادھر۔ ہوٹل جانبار کے کاؤنٹر کلرک نے بتایا تھا کہ یہ ہمارے بہت اچھے گاہک ہیں، لیکن اب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ وہ ہوٹل اسی قسم کے لوگوں کو مُسافر ٹھہراتا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ ٹنکی اپنے باس سے چوری چھپے یہاں آتا رہتا تھا۔ آخر کیوں — جب میں نے اس آخر کیوں پر غور کیا تو مجھے ٹنکی عجیب و غریب شخص محسوس ہوا۔ اور پھر میں نے یہاں سے جا کر ایک چیز کا جائزہ لیا۔ اب میں ماسٹر راجر سے ایک سوال پوچھتا ہوں — ٹنکی کون کون سی زبان جانتا ہے۔"

"انگریزی، فرانسیسی۔"

"اور تم خود۔"

"میں اُردو بھی جانتا ہوں۔"

"لیکن میرا دعویٰ ہے کہ ٹنکی تم سے بھی بہتر اُردو جانتا ہے۔"

"کک۔ کیا مطلب۔" ماسٹر راجر زور سے اُچھلا۔

"ہاں! اس آخری سوال کا جواب یہی ہے کہ وہ تحریر ٹنکی نے خود ہی لکھی تھی اور یہاں سے پوسٹ کروائی تھی۔ ہوٹل کے مینجر دوست نے اس تحریر کو پوسٹ کیا اور دس ہزار ڈالر بھیجے تھے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریر ٹنکی نے خود لکھی تھی،



میں اس کا ثبوت حاصل کر چکا ہوں۔"

"اوہ!"

وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انسپکٹر جمشید نے ماسٹر راجر کو ملنے والا خط سب کے سامنے کھول کر رکھ دیا، ایسے میں فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا:

"لیکن ابا جان! اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ماسٹر راجر اس کے مُقابلے میں کئی گنا زیادہ حصّہ لیتا تھا، ان کے ادارے کا نام جرائم کی دُنیا میں بہت مشہور ہے — اس قسم کے کام کرانے والے لوگ صرف اور صرف ان کے ادارے سے کام کرانا پسند کرتے ہیں، لہٰذا ٹنکی نے منصوبہ بنایا کہ اگر ماسٹر راجر کو ٹھکانے لگا دیا جائے تو اس کے وارے نیارے ہیں، لیکن ماسٹر راجر کو ٹھکانے لگانا بہت خطرناک کام تھا، پولیس صرف اور صرف اس پر شک کرتی — چنانچہ اس نے ایک ایسا طریقہ سوچا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے — یہاں آتے جاتے اسے ہمارے بارے میں معلوم ہو گیا اور اس نے سوچا، کیوں نہ راجر کے ہاتھوں ہمیں ہلاک کرانے کا پروگرام بنایا جائے — راجر ہمیں ہلاک تو کر نہیں سکے گا، خود گرفتار ضرور ہو جائے گا — اور جب وہ گرفتار ہو جائے گا تو یہ چپ چپاتے یہاں سے نکل بھاگے گا، لیکن اس

کی بدقسمتی کہ تم اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسے گھورتے دیکھ لیا، اس طرح اس کا تعاقب کیا گیا۔ اور یہ قابو آ گیا۔ یہ ہے کُل کہانی۔ کُل منصوبہ۔"

"اُف خُدا۔ یہ تو بہت گھماؤ پھراؤ والا منصوبہ تھا۔" فارُوق گھبرا کر بولا۔

"لیکن اُلٹا یہی لوگ ہمارے گھماؤ پھراؤ میں آ گئے۔" محمود بولا۔

"خُدا کا شکر ہے کہ ہماری بجائے یہ لوگ آ گئے۔ ورنہ اس وقت ہم کہاں ہوتے۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ ہمارے خلاف بھی کیسے کیسے منصوبے بنتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"یہ اللہ کی ہی تو مہربانی ہے۔ جو اس قسم کے منصوبوں سے ہمیں بال بال بچا لیتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"چلیے پھر ابا جان۔ لے چلیے ان لوگوں کو۔"

انھوں نے سب پر ایک نظر ڈالی۔ ماسٹر راجر ابھی تک حیرت زدہ انداز میں ٹنکی کی طرف دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت اور انتقام کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا، آخر اس نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا:

"تم میری آستین کے سانپ تھے۔ میں تمھیں پالتا رہا اور تم نے مجھے ہی ڈس لیا۔ افسوس۔ اب کما لو دن رات دولت۔"



ٹنکی کا سر جھک گیا، اس نے منہ سے کچھ بھی نہ کہا اور وہ اُٹھ کھڑے ہوئے:

"ہر کیس کے آخر میں آخر ہمیں اپنے گھر جانا پڑتا ہے۔ آخر کسی کیس کا انجام اس سے مختلف کیوں نہیں ہوتا۔" فارُوق نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا اور وہ سب مُسکرانے لگے۔

---